ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت

ملتان

ذوالحجہ ۱۴۱۳ھ

جون ۱۹۹۳ء

وأتموا الحج والعمرة لله

اور جب حج اور عمرہ کرنا ہو تو اس حج و عمرہ کو اللہ کیلئے پورا پورا ادا کیا کرو (القرآن)

لبیک اللھم لبیک

آہ! تم ذرا انکی عجیب و غریب حالتوں کا تصور کرو! یہ کون لوگ ہیں۔ اور کس پاک بستی کے بسنے والے ہیں؟ کیا یہ اسی زمین کے فرزند ہیں جو خون اور آگ کی لعنتوں سے بھر گئی، اور صرف بربادیوں اور ہلاکتوں ہی کیلئے زندہ رہی؟ کیا یہ اسی آبادی سے نکل کے آئے ہیں جو سبعیت و خونخواری میں درندوں کے بھٹ اور سانپوں کے غاروں سے بھی بدتر ہے۔ اور جہاں ایک انسان دوسرے انسان کو اس طرح چیرتا پھاڑتا ہے کہ آج تک نہ تو سانپوں نے اس طرح ڈسا اور نہ جنگلی سوروں نے کبھی اس طرح دانت مارے؟ کیا یہ اسی نسل اور گھرانے کے لوگ ہیں۔ جس نے خدا کے رشتوں کو یکسر کاٹ ڈالا۔ اور اس طرح اسکی طرف سے منہ موڑلیا کہ اسکی بستیوں اور آبادیوں میں خدا کے نام کیلئے ایک آواز اور ایک سانس بھی باقی نہ رہی؟

آہ! اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ یہ قدوسیوں کی سی معصومیت، فرشتوں کی سی نورانیت، اور سچے انسانوں کی سی محبت ان میں کہاں سے آگئی ہے؟ تمام دنیا نسلی تعصبات کے شعلوں میں جل رہی ہے۔ مگر دیکھو یہ دنیا کی تمام نسلیں کس طرح بھائیوں اور عزیزوں کی طرح ایک مقام پر جمع ہیں۔ اور سب ایک ہی حالت، ایک ہی وضع، ایک ہی لباس، ایک ہی قطع، ایک ہی مقصد اور ایک ہی صدا کیساتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں؟ سب خدا کو پکار رہے ہیں۔ سب خدا ہی کیلئے حیران و سرگشتہ ہیں۔ سب کی عاجزیاں اور درماندگیاں خدا ہی کیلئے ابھر آئی ہیں۔ سب کے اندر ایک ہی لگن اور ایک ہی ولولہ ہے، سب کے سامنے محبتوں اور چاہتوں کیلئے اور پرستش اور بندگیوں کیلئے ایک ہی محبوب و مطلوب ہے۔ اور جبکہ تمام دنیا کا محور عمل نفس و ابلیس ہے۔ تو یہ سب صرف خدا کے عشق و محبت میں خانہ ویراں ہو کر اور جنگلوں اور دریاؤں کو قطع کر کے دیوانوں اور بے خودوں کی طرح یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف دنیا کے مختلف گوشوں کو چھوڑا بلکہ دنیا کی خواہشوں اور ولولوں سے بھی کنارہ کش ہوگئے۔ اب یہ ایک بالکل نئی دنیا ہے جسمیں صرف عشق الٰہی کے زخمیوں اور سوختہ دلوں کی بستی آباد ہوتی ہے۔ یہاں نہ نفس کا گزر ہے جو غرور بہیمی کا مبدأ ہے۔ اور نہ انسانی شر ارتوں کو بار مل سکتا ہے۔ جو خونریزی اور ظلم و سفاکی میں کرہ ارضی کی سب سے بڑی درندگی ہیں۔ یہاں صرف آنسو ہیں جو عشق کی آنکھوں سے بہتے ہیں۔ صرف آہیں ہیں جو محبت کے شعلوں سے دھوئیں کی طرح اٹھتی ہیں۔ ندائوں کی صورت میں زبانوں سے بلند ہو رہی ہیں۔ اور ہزاروں سال پیشتر کے عہد الٰہی اور رازو نیاز عبد و معبودی کو تازہ کر رہی ہیں۔

لبیک لبیک۔ اللھم لبیک۔ لاشریک لک لبیک

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ

ص ۹، ش ۱۶، ج ۵، ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۴ء

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

Regd No. L - 8755

ذوالحج ۱۴۱۳ھ جون ۱۹۹۳ء جلد ۴ شمارہ ۶ قیمت فی پرچہ =/۸ روپے

سرپرست اکابر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ

مجلس ادارت

رئیس التحریر:

سید عطاء المحسن بخاری

مدیر مسئول:

سید محمد کفیل بخاری

رفقاءِ فکر

مولانا محمد عبدالحق مدظلہ

حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ

ذوالکفل بخاری ● قمر الحسنین

خادم حسین ● ابوسفیان تائب

محمد عمر فاروق ● عبداللطیف خالد

سید خالد مسعود گیلانی

زرِ تعاون سالانہ

اندرونِ ملک =/۱۰۰ روپے ◎ بیرونِ ملک =/۱۰۰۰ روپے پاکستانی

رابطہ دار بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان — فون: ۵۱۱۹۶۱

ترجمانِ تحفظِ ختمِ نبوّۃ شعبۂ تبلیغ عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

سید محمد کفیل بخاری طابع تشکیل احمد اختر مطبع تشکیل نور پرنٹرز مقام اشاعت: دار بنی ہاشم ملتان

آئینہ

دل کی بات	سید ذوالکفل بخاری	۳
قربانی	ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری	۴
دین میں صحابہ کرامؓ کا مقام اور حیثیت	تقریر 〃 〃 〃	۱۰
ہندوستان میں عیسائیت کی یلغار	حکیم محمود احمد ظفر	۱۹
میرا افسانہ	چودھری افضل حقؒ	۲۵
زبان میری ہے بات ان کی	ساغر آفاقی	۳۰
سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور عبدالغفار خان	مجاہد الحسینی	۳۲
کشمیر عظمت احرار کا امین (نظم)	پروفیسر خالد شبیر	۳۸
عوامی حقوق کے حصول کی پہلی تحریک کشمیر	ڈاکٹر انور سدید	۳۹
مسافرینِ آخرت	ادارہ	۵۳
آہ! مرزا غلام نبی جانباز مرحوم	محمد اورنگ زیب اعوان	۵۴
چمن چمن اجالا	شہر شہر سے ڈائریاں	۵۷
اسلام کفر کے سہاروں کا محتاج نہیں	سید ابو معاویہ ابوذر بخاری	۶۴

دل کی بات

پاکستان کی قومی اسمبلی کو ایک ماہ سے زائد عرصہ ہو چکا کہ صدر پاکستان کے نفسِ گرم کی تاثیر کے سبب وہ شعلۂ جوالہ سے خاکستر ہو کے رہ گئی۔ "کشتگانِ خنجرِ ترمیم" ----۸ ویں ترمیم اور اس کے مالک و مختار کو جلی کٹی بھی سنا رہے ہیں اور عدالتی اور عوامی معرکہ آرائی میں سینہ سپر بھی ہیں۔ دوسری طرف نگران کابینہ یا (ایک بزرگ سیاسی مبصر کے بقول) صحیح تر الفاظ میں "نئے سرداری نظام" کے شاملین و شاغلین کو کم وقت میں سخت مقابلہ در پیش ہے۔

بھان متی کے اس کنبے میں راشٹر پتی، پردھان منتری اور منتریوں کے مڈی دل کی خوب بن آئی ہے۔ سب مزے میں ہیں۔ سب ایک ہیں

بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست؟

شریمتی بے نظیر بھٹو نے نئے انتخابی منشور کا اعلان کرتے ہوئے اپنے باوا کی تثلیثی روایت یوں نبھائی ہے کہ اسلام، سوشلزم اور جمہوریت کی بجائے نیو سوشل کنٹریکٹ، نسل پرستی کے خاتمے اور پاکستانی قوم کے اتحاد اور روشن خیال اسلام کا نعرہ بلند کر دیا ہے اور ادھر شری یت کوثر نیازی نے اپنی روایت یوں نبھائی ہے کہ ایک تازہ دیا کھیان میں انہوں نے کہا ہے کہ "حضرت مریم کی طرح بے نظیر کی تعریف ممکن نہیں۔ جس طرح مریم کی مکمل تعریف یہ ہے وہ حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں اسی طرح میں یہ کہوں گا کہ وہ بھٹو کی بیٹی ہیں۔ وہ خود بھی بے نظیر ہیں" استغفر اللہ!

بک رہے ہیں جنوں میں کیا کیا کچھ!

یہ ہے بی بی کا روشن خیال اسلام اور اس کا اور چھور! اور یہ ہے خان بابا کی نگران کابینہ اور اس کے باون چور!

ہم پوچھتے ہیں کیا پورے ملک کے علماء کرام کو سانپ سونگھ گیا ہے؟ نگران کابینہ کی خیرات و زکوٰۃ پر جھپٹنے والے "منتری مولوی" اور قوم کی زکوٰۃ و خیرات کو استعمال میں لا کر گلچھرے اڑانے والے سب چھوٹے بڑے مذہبی و سیاسی "قائدین" کیا اس قسم کی ہرزہ سرائیوں کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرنے کو "جمہوریت" سمجھتے ہیں؟

تفو بر تو اے چرخِ گرواں تفو

نگران کابینہ کے ایک اور "شیئر ہولڈر" مولانا شاہ احمد نورانی نے فرمایا ہے کہ "ہم پاکستان میں جمہوریت کو دیکھنا چاہتے ہیں، ہم نہیں چاہتے کہ پاکستان کو ملا کی گرفت میں دے دیا جائے" گویا حضرت مولانا یہ باور کرا رہے ہیں کہ ان کے اور جمعیت علماء اسلام کے "اسلامی جمہوری محاذ" کی آخری منزل اسلام نہیں جمہوریت ہے اور جمہوریت بھی نگران کابینہ والی! انتخابی ہزیمتوں سے پاک!

ادھر جماعت اسلامی کے قاضی حسین احمد نے "پاکستان اسلامک فرنٹ" کا ڈول ڈال دیا ہے۔ ابتدائی مرحلے میں تو اس فرنٹ میں جو لوگ نمایاں ہو کر سامنے آئے ہیں ان کی حیثیت

بقیہ صہ ۹ پر دیکھیں!

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری

قربانی

امن عامہ اور معاشی امن و سلامتی کے قیام کا سبب ہے

اسلام امن و سلامتی کا ہی نام ہے اسلام کے ہر عمل سے سلامتی پیدا ہوتی اور امن پھیلتا ہے ہر باشعور آدمی غور و فکر کی نعمت سے اس حقیقت کو پا سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل انسانوں کے اعمال جس برائی، خباثت اور شیطنت سے آشنا ہو چکے تھے اسلام نے انہی اعمال کو اسوۂ حسنہ میں پابند کر کے محبت، آدمیت، امن، سلامتی اور عافیت پیدا کر دی۔ غور فرمائیے قبائل کے سردار اور انکے ساتھی کھانا کھا رہے ہیں ہمہ قسم نعمت ان کے سامنے چن دی گئی ہے مگر کیا مجال کہ غلام اسکی طرف دیکھ بھی جائے۔

روساء و بزرجمہر کھا پی کے فارغ ہوں گے۔ جو بچا کھچا ان کے منہ میں بھی پہنچ جائیگا جو غلام ہونے کا طعنہ سینے پر سجائے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے آ کر مکارم اخلاق پیدا کئے اسی معاشرے میں غلام کو آقا کے برابر کر دیا فقیر کو امیر جیسا کر دیا من و تو کی تمیز ختم کر دی معاشرے میں وہ حسن پیدا کیا۔ جو نہ کلیوں میں نہ غنچوں میں نہ پھولوں میں نہ بہاروں میں ہے دنیا کے کسی نظام میں بھی یہ حسن و خوبی یہ برابری و برادری نہیں ہے دنیائے فکر میں انقلاب بپا کیجئے اور چودہ سو برس کی الٹی زقند لگائیے چشم خرد کھولئے اور ملاحظہ کیجئے کہ مولائے کائنات سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ لکڑی کے ایک پیالے میں لقمے لگا لگا کر کھا رہے ہیں۔ غلام آقا کے روبرو ہے نظر و توجہ کی نعمتوں سے بھی مالا مال ہو رہا ہے اور معاش و معاد کے لئے بھی سنوار رہا ہے جی ہاں یہ وہی بلال ہے جسے کفار مکہ کا جمہوری نظام اور جمہوری گماشتے اپنے برابر دیکھنا نہیں چاہتے تھے اور اسے غلام ہی مارنا چاہتے تھے، اسی طرح قربانی کا عمل بھی معاشرے میں امن و سلامتی اور بلندی پیدا کرتا ہے۔

قربانی تو زمانۂ جاہلیت میں بھی امن و سلامتی اور سفر کے خطرات سے بچاتی تھی عرب کا معمول تھا کوئی شخص اگر حج کیلئے آمادہ سفر ہے تو اسے اپنے قربانی کے جانوروں کے گلے میں پٹے ڈال کر ساتھ رکھنا پڑتا۔ اور یہ قربانی کا پٹہ ہی راستے کے خطرات و مشکلات سے بچنے کی علامت ہوتا نتیجہ یہ نکلتا کہ ایسا مسافر اپنے سازوسامان سمیت منزل مراد پر پہنچ جاتا حج کرتا قربانی دیتا اور رضاء الہی کی نعمتیں سمیٹتا واپس لوٹ جاتا قربانی کے اس جانور کو ہدی نے کہا جاتا ہے ویسے عربوں میں یہ دستور تھا کہ دین ابراہیمی کے مطابق وہ چار مہینوں کا بہت احترام کرتے یعنی رجب، ذی قعد، ذی الحج، اور محرم ۔۔۔۔ یہ مہینے پر امن اور عافیت و سلامتی کے مہینے تھے قرآن کریم نے بھی ان مہینوں کے باعزت و باوقار ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

منها اربعة حرم

ان میں سے چار بہت معزز ہیں۔

انہی چار ماہ کے اعزاز و اکرام میں عرب اپنی جاہلیت کی عادتیں لڑائی جھگڑے ختم کر دیتے تھے ذی الحجہ کا مہینہ بھی انہی مکرم و محترم مہینوں کا حصہ ہے۔ جس میں قربانی حج اور عبادات اس کا جزو لاینفک ہے اس لئے بھی یہ امن و امان اور عافیت و سلامتی کا پیغام سرمدی ہے امن عامہ کی نوید الٰہی ہے۔ مگر ہمارے معاشرہ میں چونکہ اسلام کو ثانوی حیثیت دیدی گئی ہے۔ اور جمہوریت کو پہلی پوزیشن اس لئے موجودہ معاشرہ پر پھٹکار پڑ رہی ہے عرب جہلا تو پٹے والے قربانی کے جانوروں کی لوٹ مار نہیں کرتے تھے یہ جمہوریت زادے وہ بھی نہیں چھوڑتے اس عمل خبیث میں تو یہ جمہوری فرزند ان سے بھی آگے نکل گئے لوگوں نے مہندی، جھانجر، زنجیر اور پٹے قربانی کی تمام نشانیوں سے اپنے قربانی کے جانوروں کو مرصع کیا ہوا ہوتا ہے مگر جمہوریت کے فرزند ناہموار اسے بھی چوری کرنے سے باز نہیں آتے اگر لبرل اسلام کے ماننے والے منافقین اپنے رویے تبدیل کر کے حقیقی اسلام کے پیروکار بن جائیں یعنی مکمل مومن بن جائیں تو امت کو یہ روز سیاہ دیکھنا نصیب نہ ہو! اس پر مستزاد یہ کہ ان چوروں حرام خوروں کو پاکستان کی رسوائے زمانہ تعزیرات سزا نہیں دیتی بلکہ لبرل اسلام کی نمائندہ کمیونٹی جو اسلامی سزاوں کو "وحشیانہ" سزائیں کہتی ہے وہ وحشی اور جنگلی بھی اس درندگی پر بہت پریشان ہیں مگر ۴۶ برس سے امن قائم نہیں کر سکے۔ جو دن طلوع ہوتا وہ فسق و فجور کی تمازت سے بڑھا دیتا ہے۔

خود کو ترقی یافتہ کہنے والے یورپ کے اندھے مقلد پاکستان میں خیر پیدا نہیں کر سکے۔ پیپلز پارٹی ہو یا مسلم لیگ دونوں شر، فتنہ و فساد اور تباہی کی نمائندگی کرتی اسے پھیلاتی اور حکومت کرتی ہیں۔ یہ چار پانچ فیصد جو امن کے روح پرور مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ صرف ان دینی اعمال کی وجہ سے ہیں جو مسلمان انفرادی اور ذاتی ذوق کی بنیاد پر کرتے ہیں ورنہ ریاست کے قانون بدلنے تو افکار اعمال کی کھلی آزادی دے رکھی ہے۔ اللہ کی پناہ۔

قربانی اپنے شاندار ماضی امن و سلامتی پر بڑی تاریخی روایت و شہادت رکھتی ہے دور حاضرہ میں قربانی نہ صرف یہ کہ امن کا پیغام بنی ہوتی ہے بلکہ مسئلہ معاش کا عظیم پہلو بھی اپنے جلو میں رکھتی ہے کہ اس عمل صالح کی بدولت معاشی بدحالی ختم ہوتی اور معاشی امن پیدا ہوتا ہے سینکڑوں غریب امیر ہو جاتے ہیں۔

قرآن کا حکم ہے

فکلو امنها واطعموالبائس الفقیر۔ (پ ۱۷ س حج آیت ۲۸)

سو کھاؤ اسمیں سے اور کھلاؤ محتاج بے حال کو

فکلوامنها واطعموالقانع والمعتر (پ ۱۷ ۔ س حج آیت ۳۶)

سو کھاؤ اسمیں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھنے والے کو اور بیقراری کرنے والے کو۔

ہمارے معاشرہ میں سرمائے کی غیر منصفانہ تقسیم اور یورپ کے معیار زندگی کی نقالی نے معاشرہ کو طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور اعلی طبقہ کہلانے والے لوگ اخلاق سے عاری ہمدردی سے محروم اخوت، برادری اور برابری کے شائستہ جذبات کو خیر باد کہکر دوسرے تیسرے اور چوتھے طبقہ کے لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ ہمارے معاشرہ کا دوسرا تیسرا اور چوتھا طبقہ زندگی کی راحتوں سے مجبور اور معاشی حالات سے رنجور ہے اور سفید پوشی ظاہر داری برادریوں کے جذبہ تقابل میں اسقدر چور چور ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ معاشرے کے جن لوگوں

کے پاس مال و منال زر و جواہر اور دھن دولت موجود ہے۔ پھر انمیں سے جو اس دولت کو دین کے احکام کے مطابق صرف کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں صدقات دیتے ہیں انفاق عام کرتے ہیں وہ جب قربانی دیں گے تو معاشرہ کے ایسے افراد جو بے چارے مال کی کمی کے سبب ہفتوں اور مہینوں تک گوشت کی شکل سے نا آشنا اور اسکی لذت سے محروم رہتے ہیں۔ قربانی کرنے والا خود کھائے تو اس کی اجازت ہے اس لئے کہ فکلوامنھا امر استحباب ہے امیر وجوب نہیں یعنی اجازت ہے حکم نہیں جیسے

واذا حللتم فاصطادوا (پ ٦ - س مائدہ - آیت ٢)

میں شکار کا حکم نہیں بلکہ اجازت ہے اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو۔

اپنے گھر کیلئے رکھ لے تو اجازت ہے اگر نہ رکھے تو بہتر ہے اور واجب ہے کہ وہ قربانی کا گوشت بے حال، محتاج، نادار، بے یارومددگار اور ایسا مسکین جو قانع صابر محروم ہو اور ایسا مسکین بھی جو سائل اور بیقرار ہو بھوک کے ہاتھوں تنگ آکر مانگنے لگ جائے سب کو تلاش کر کے پہنچایا جائے۔ ایسے ضرورت مندوں کو زکوٰۃ صدقات وغیرہ کیطرح قربانی کا گوشت پہنچانے سے ان کی طبعی تندی ترشی اور حالات سے پیدا شدہ نفرتیں کم ہونگی غضب و انتقام کی جگہ محبت و احترام پیدا ہو گا لوٹ مار قتل وغارتگری کی بجائے حفاظت و خدمت کے نیک جذبات ظہور پذیر ہوں گے معاشرہ میں امن و سلامتی غالب آئے گی یعنی خیر طالب شر مغلوب ہو گا۔ رودے اور کھالیں بھی معاشرہ کے انھی پسے ہوئے لوگوں کا حق ہے قصاب قطعاً کھال رودے نہیں لیجا سکتے قربانی کے جانوروں پر ڈالے گئے کپڑے گھنٹیاں زنجیریں جھانجریں وغیرہ سب چیزیں غرباء کا حق ہیں۔ جب غرباء کو ان کا شرعی حق مال کی صورت میں پہنچے گا تو معاشی ناہمواری دور ہو گی اور معاشی ناہمواری کے دور ہونے سے جذبہ حدو رقابت بھی دور ہو گا جس کا نتیجہ ہے خوشحالی مختصراً ملاحظہ

قربانی کے فوائد

قربانی کیلئے جانور خریدے گئے۔ بیچنے والے کو مال منتقل ہوا

(۱) ایک طبقہ میں گردش زر قائم ہوئی۔ اُسے کچھ روز گھر میں رکھا خدمت کی گھاس دانہ کھلایا (۲) دوسرے طبقہ میں گردش زر قائم ہوئی۔ قصاب نے ذبح کیا اور مزدوری لی۔ (۳) تیسرے طبقہ میں گردش زر قائم ہوئی کھال بکی یا خیراتی اداروں میں تقسیم ہوئی۔ (۴) چوتے طبقہ میں گردش زر قائم ہوئی۔

رودے

زنجیر

کپڑا

جھانجر فروخت ہوئی

(۵) ان کی قیمت مساکین۔ یتمی بیوگان محتاج انکی دینی کارکن دینی طلباء دینی اساتذہ میں مختلف صورتوں میں تقسیم ہوئی پانچویں طبقہ میں گردش زر کی قائم ہوئی۔ سرمایہ انجماد سے بچا ایک ہاتھ میں نہ رہا مختلف ہاتھوں میں پہنچا ملک و قوم کو فائدہ پہنچا۔

اپنے اہم اور عظیم عمل کو جس سے معاشرہ کے پانچ طبقوں کو فیض نفع اور فائدہ پہنچتا ہو اسکی مخالفت کرنا کہاں کی خدمت انسانی اور خدمت حیوانی ہے۔ یا دانشمندی ہے؟ بجز اس کے کہ

بک رہے ہیں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ہاں یہ بھٹو فیملی کا روشن اور لبرل اسلام تو ہو سکتا ہے دین حقیقی نہیں۔

قربانی اور قربانی کے جانور

قربانی اور قربانی کے جانور شعائر اللہ نیں سے ہیں۔ (پ ۱۷ س حج آیت ۳۶)

ایسے لوگ جو بے رحمتی اور حیوانات کے انسداد کی ذیل میں قربانی کے عمل کو رد کرتے ہیں یا مال کے ضیاع کی نام نہاد حکمت کی بنیاد پر اسکو غلط قرار دیتے ہیں وہ لوگ بنیادی طور پر جاہل و ظالم ہیں اس لئے کہ قرآن حکیم میں پ ۱۷ س حج ایت ۳۶ میں قربانی اور قربانی کے جانوروں کی حیثیت دین اسلام کی علامتوں میں سے دو علامتیں ہیں۔ اور دین کی علامتوں کی تعظیم دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے۔ ان شعائر کا احترام نہ کرنے والے لوگ خلوص سے محروم ہیں۔ شعائراللہ کی باقاعدہ و باضابطہ شرعی حیثیت و عظمت ہے اس عمل کی ایک مذہبی شرعی اور قانونی تاریخ ہے اس کی تردید تغلیط اور توھین احکام، مسائل، اور قوانین قرآنی سے بے خبری بے علمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ پھر ایسا آدمی جو قربانی جیسے عمل خیر کو رد کتا ہے اس کے خلاف ذہنوں کو ہموار کرتا ہے۔ اور فضول قسم کی باتیں جو یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں کرتا رہتا ہے وہ معاشرے کو باہم ایک دوسرے سے کاٹنا چاہتا ہے قربانی کے عمل سے معاشرہ کے تمام طبقات باہم مربوط ہو جاتے ہیں اور یہ حیوانات پر رحم کرنے والا نام نہاد رحیم انسانوں کو محبت مودت ارتباط معاشرتی ترقی سے محروم کرنے والا ظالم سفاک خود غرض ہے کہ انسانوں پر رحم نہیں کرتا!

مولانا ابوالکلام آزاد کے بقول پس عید اگر شعائر اسلام کو قائم رکھتی ہے۔ مذہبی روح کو زندہ کرتی ہے، مذہب کے کارنامہ اعمال کو دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔ عہد محبت و میثاق الہی کی تجدید کرتی ہے، تمام امت کو ایک نظام میں مربوط کر دیتی ہے، مختلف ممالک کے مسلمانوں کے درمیان سفارت کا کام دیتی ہے تو بلاشبہ وہ عید ہے۔

حضرت مولینا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ

الہلال ص ۱۸ ش ۱۸ ج ۵

۲۸ اکتوبر ۱۹۱۴

یوم الحج

آج ذی الحجہ کی پہلی تاریخ ہے اور ایک ہفتہ کے بعد تاریخ کا وہ عظیم الشان روز (دن) طلوع ہونے والا ہے جس کے آفتاب کے نیچے کرہ ارضی کے ہر گوشے کے لاکھوں انسان اپنے اللہ کو پکارنے کیلئے جمع ہونگے۔ اور ریگستان عرب کی ایک بے برگ و گیاہ وادی کے اندر اللہ پرستی و عشق الٰہی کا سب سے بڑا گھرانا آباد ہو گا!

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ
الہلال ص ۸ ش ۱۴ ج ۵
۱۴ اکتوبر ۱۹۱۴

تبدیلی ٹیلی فون نمبر

دفتر ماہنامہ نقیب ختم نبوت کا ٹیلیفون نمبر تبدیل ہو گیا ہے نیا نمبر نوٹ فرمالیں۔

511961

~~72813~~

(بقیہ اداریہ)

پھرتے تھے میر خوار کوئی پوچھتا نہ تھا

سے زیادہ نہیں یہ گویا ریٹائرڈ جرنیلوں اور یوسف بے کارواں قسم کے علماء کی جماعت اسلامی میں باقاعدہ شمولیت کی ایک تدبیر ہے۔ اور قاضی صاحب اس ابتدائی کامیابی کے بعد، پی پی کے مخالف اور مذہب کے نام لیوا جملہ سیاست دانوں کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھتے اور پوچھتے پائے جا رہے ہیں کہ

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما!

موجودہ سیاسی منظر کی یہ ہلکی سی جھلک دکھا کر جو بات عرض کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں اسلام کے نفاذ کی جمہوری جنگ لڑنے کے دعویدار لوگ آج بھی اسی قدر عاقبت نا اندیش، بے بصیرت اور نا اہل ثابت ہو رہے ہیں جتنا اس ملک کی چھیالیس سالہ تاریخ انہیں ہر مرحلے اور ہر موڑ پر ثابت کرتی چلی آئی ہے۔ یہ لوگ، یہ سمجھنے سے آخر کیوں قاصر ہیں کہ جمہوریت کا مطلب اس ملک میں اول و آخر، سیکولر عناصر کی حکمرانی ہے۔ اور یہ اسی مکروہ جمہوری سیاست کا نتیجہ ہی تو ہے کہ جس ملک کی آزادی کیلئے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں نے دین کے نام پر اپنی جانوں پر کھیل کر برطانوی سامراج سے ٹکر لی، وہی ملک لادین سیاست دانوں نے گندے مفادات کی خاطر امریکی سامراج کی گود میں ڈال دیا۔ نتیجہ معلوم، کہ آج امریکہ بہادر یہاں کسی ایسے سیکولر عنصر کو بھی برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں جو سچ مچ اس ملک کو ترقی دینے کے خواب دیکھنے لگے۔ گزشتہ ماہ صنعت کاروں کی حکومت پر، جاگیرداروں کا کامیاب شب خون، اسی حقیقت کی کھلی غمازی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس ملک میں صنعت کاروں اور جاگیرداروں کے علاوہ بھی کوئی مخلوق بستی ہے؟ اصول و عقائد کی دہائی دینے والے اسلام پسندوں کو کیا یہی کچھ کرنا چاہیے جو وہ کرتے چلے آ رہے ہیں! اے کاش وہ سمجھ پائیں کہ

مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کی جنگ یا صنعت کار اور جاگیر دار کی جنگ میں جو بھی کامیاب ہو، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اسلام دشمنی اور عوام دشمنی میں یہ سب ایک ہیں۔ استحصال ان کا پیشہ ہے۔ جمہوریت ان کا ہتھیار اور اوزار ہے۔ پاکستان ان کی بہترین کمین گاہ ہے اور الیکشن کے موقع پر "مولویوں" کو بھرے میں لا کر ان کا شکار کھیلنا ان کا مشغلہ بھی ہے اور ضرورت بھی!

کہاں قاتل بدلتے ہیں فقط چہرے بدلتے ہیں
عجب اپنا سفر ہے فاصلے بھی ساتھ چلتے ہیں

(سینٹرل مسجد، گلاسگو۔ برطانیہ)
۲ نومبر ۱۹۸۵ء

خطاب ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری
ناقل مہدی معاویہ

دین میں صحابہ کرام کا مقام اور حیثیت

بزرگان محترم، برادران عزیز آج کی گفتگو کا موضوع ہے "دین میں صحابہ کرام کا مقام اور حیثیت" آغاز یوں کرتا ہوں۔ آپ میں سے کوئی مسلمان بھائی یا کوئی غیر مسلم ایک سکول بناتا ہے۔ وہ اس کا بانی ہے اس دعویٰ کیساتھ کہ اس جیسا سکول پوری دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ ایسا سکول بنایا کہ اسکا نصاب تعلیم۔ اس کا نظام اور اس پر محنت کا انداز دنیا میں منفرد ممتاز اور بے مثال ہے۔ اس اسکول کے بچے امتحان دیتے ہیں۔ اور پہلے ہی سال فیل ہو جاتے ہیں۔ اس اسکول کا دعویٰ کرنے والا اس کے نصاب تعلیم کی بہتری کا مدعی اپنی تگ و دو اور کد و کاوش کا دعویدار ہیڈ ماسٹر، پرنسپل اور بانی، وہ اپنے دعوے میں کتنے فیصد سچا ہے؟ اس کے وجود کی کیا حیثیت ہے؟ اسکی شخصیت کس قدر قابل احترام ہے؟ یہ جواب دینا ہوگا ان لوگوں کو جو اسلام کے پہلے سکول کے طلبا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید کا حق مانگتے ہیں بلکہ از خود اس حق کو استعمال کر کے صحابہ کرام کی شخصیت اور مقام کو مجروح کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ بانی اسلام سرور کونین، رسول الثقلین، امام المشرقین و المغربین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم، جنہوں نے یہ دعویٰ فرمایا

لا الہ الا اللہ

کہہ لو نجات پا جاؤ گے۔

اور پھر لا الہ الا اللہ پڑھوایا۔ اس پر تیرہ برس محنت کی، آگ کے دریا سے گذرے اور ڈوب کے گذرے، اذیتوں اور مصیبتوں نے اپنے مہیب جبڑے کھول کر بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوفناک طریقے سے اس راستے سے ہٹانے کی کوشش کی، لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قدم پہلے قدم سے زیادہ طاقتور آگے بڑھتا رہا۔

اگر میں مان لوں کہ جدید تاریخ کے زاویہ نگاہ کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیق سے لیکر سیدنا معاویہ، سیدنا مغیرہ، سیدنا مروان اور سیدنا وحشی بن حرب رضی اللہ عنہم تک تمام صحابہ کرام ہماری طرح کے انسان ہی تو تھے۔ اس کے سوا ان کی حقیقت کیا ہے؟ ان سے بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ بہت سے نقصانات ان کے وجود سے پہنچے ہیں اور نبی کی تیئس برس کی محنت کو انہوں نے چند دنوں میں ملیامیٹ کر دیا۔ میں اگر یہ تاریخ کے نئے اصولوں کے ماتحت یہ سب ہفوات مان لوں تو اسکا مطلب ہوا کہ معاذاللہ، معاذاللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیئس برس کی محنت کے بعد تیئس آدمی بھی اپنی امت میں تیار نہ کر سکے جو نبی کے اعمال، نبی کی سیرت طیبہ، نبی کے ارشادات عالیہ اور نبی کی تشکیل کی ہوئی سوسائٹی کا نقشہ بتا سکے۔ اور جس نبی کا دعویٰ ہو "انا والساعۃ کھاتین کہ میرے اور قیامت کے مابین اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا فاصلہ اس انگلی میں اور اس انگلی میں ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے کہ میرے اور قیامت کے

دوران کوئی نیا نبی، کوئی نئی امت یا شریعت کچھ نہیں ہوگا۔ قیامت تک میری ہی شریعت چلے گی۔ میری ہی نبوت ورسالت کی حاکمیت چلے گی۔ یہی پوری کائنات میں سپر پاور سمجھی جائیگی۔

آج کی جدید تاریخ کا طالب علم یہ کہتا ہے کہ صاحب بیس برس بھی نہ گزرنے پائے اور چوبیس برس بمشکل گزرے کہ امت میں یہ ہوا اور وہ ہوا اور نبی کالایا ہوا دین مٹ گیا۔ تاریخ یہ کہتی ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ کیا ہم تاریخ اور تاریخ کے ماتحت پروان چڑھنے والے فکروذہن کی تقلید کریں؟ اسے قبول کرلینا چاہیے؟ اور تاریخ کا جو نیا پہلو ہمیں دیا جارہا ہے اور تحقیق وریسرچ کے نام پر آئیڈیل شخصیات کی جو چمڑی ادھیڑی جارہی ہے یہ سب باتیں قبول کرلیں؟ کیا ہمیں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا۔ فکری اعتقادی اور عملی زندگی میں ہم خسارے میں تو نہیں اور کیا تاریخ اور رویہ تنقید کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث ہمیں ان شخصیات کے متعلق کچھ بتاتے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ ایک کافر اگر اس انداز سے سوچے تو یہ اسکا حق ہے۔ لیکن ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ پہلی بات تو اس سلسلہ میں یہ یاد رکھیے کہ قرآن حکیم اللہ کی کتاب ہے کسی انسان نے زمانے کی قید وبند کیساتھ اسے مرتب نہیں کیا۔ اللہ کا کلام ہے اور اللہ تمام زمانوں پر حاوی ہے۔ جب سے اللہ ہے تب سے اسکا کلام ہے۔ کیونکہ کلام اس کی صفت ہے۔ اسکی بولی ہے جس طرح اللہ ازلی ہے اسی طرح اس کا کلام بھی ازلی ہے۔ جس طرح اللہ ابدی ہے اسی طرح اس کا کلام بھی ابدی ہے۔ نہ اللہ کو فنا ہے نہ اس کے کلام کو فنا ہے۔ نہ اللہ کی ذات میں شک وشبہ ہے نہ اسکے کلام میں کوئی شک وشبہ ہے اگر موصوف میں کوئی شبہ ہو تو اسکی صفات میں بھی شبہ کیا جاسکتا ہے۔ جب موصوف ہمہ قسم کے شکوک وشبہات سے پاک ہے تو موصوف کی جتنی بھی صفات ہیں وہ تمام تر شکوک وشبہات اور نقائص وعیوب سے پاک ہیں۔

ذلک الکتاب لا ریب فیہ

یہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔ یعنی اسکے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ نہ اس میں ترمیم ہے نہ تنسیخ ہے۔ نہ اضافہ ہے نہ کسی نے بڑھوتی کی ہے نہ کسی نے کم کیا ہے۔ نہ زیر زبر بدلی ہے نہ شد مد بدلی ہے۔ نہ اس کے پارے کم ہوئے ہیں۔ نہ آیات کم ہوئی ہیں۔ کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے اس میں لفظ "ریب" شکوک کی ساری قسموں کی ماں ہے۔ جتنی بھی قسمیں آپ کے ذہن میں آسکتی ہیں لفظ "ریب" نے ان سب کا احاطہ کرلیا ہے۔ اور حرف "لا" گرامر کے لحاظ سے ایسا طاقتور ہے کہ جہاں حرف لا آجائے اور اس کے معنی میں نفی ہو۔ یعنی، لا۔ نفی جنس کا جہاں بھی آجائے تمام غلطیوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ لاریب۔۔۔ شکوک کی جتنی بھی قسمیں ہیں۔ "لا" کے بعد "ریب" جنس ہے اس جنس کے ذیل میں جتنی بھی شقیں آئیں گی سب کی نفی کردی کہ کسی قسم کا کوئی شک نہیں تمام شکوک سے پاک ہے یہ قرآن اور یہ کتاب ہدایت دیتی ہے۔۔۔۔۔۔ کن کو؟

ھدی اللمتقین

متقین کو۔ یہاں سے بات چلے گی کہ سب سے پہلے اس کتاب نے کس کو ہدایت دی؟ جنکو اس کتاب نے ہدایت دی وہ متقین ہوئے کہ نہیں۔ متقی کہتے ہیں کہ جو حرام سے بچے۔ صوفیا کہتے ہیں کہ جو شبے والی چیز سے بھی بچے وہ

متقی ہے۔ فقہا کہتے ہیں کہ جو اعلانیہ حرام سے بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

التقویٰ ھھنا، التقویٰ ھھنا، التقویٰ ھھنا، ویشیر باصبحہ الیٰ صدرہ ثلاث مرات

کہ تین مرتبہ اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے تقویٰ یہاں ہے اور اسکا معنی ہے خلوص۔ گویا جو دین کے لئے مخلص ہو وہی متقی ہے اور جو دین کے لئے اس سے بھی زیادہ مخلص ہوگا وہ مشتبہ چیزوں سے بھی بچے گا۔ یعنی جن اعمال میں کھانے پینے کی جن چیزوں میں بھی شبہ پایا جائیگا وہ اس سے بھی بچے گا۔

قرآن سمجھنے والے لوگوں کا پہلا گروہ، محمل اول، مورد اول یوں سمجھیے کہ افہام قرآن، تبیین قرآن، بیانِ کتاب، تشریح کتاب، تفسیر کتاب کا پہلا مھبط صحابہ کرام ہیں رضی اللہ عنہم۔ مھبط نزول رسول اللہ کی ذات گرامی ہے۔ فہم قرآن اور عمل بالقرآن کا مھبط اولی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی جماعت ہے۔ ان پر ھبوط ہوا ہے۔ نزول ہوا ہے ان کے قلب میں فہم قرآن کا بذریعہ وحئ الہیٰ! رسول اللہؐ کی زبان مبارک کے ذریعے۔ رسول اللہؐ کے عمل مبارک کے ذریعے۔ رسول اللہؐ کے سمجھانے کے ذریعے، قدم قدم پر سمجھایا، بات بات سمجھائی، صحابہ نے پوچھا جو بات سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر سمجھائی۔ پھر پوچھا اگر سمجھ میں نہیں آیا تو پھر سمجھایا نبی کوئی چیز چھپا کے ساتھ نہیں لے گیا۔ تمام حرام امور۔۔۔ وہ حرام فکری ہو، نظریاتی ہو، اعتقادی ہو، معاملاتی ہو، اخلاقیاتی ہو۔ حرام جس شکل و صورت میں بھی موجود ہے۔ صحابہ کو نبیؐ نے ان سے بچایا۔ اور آپ ﷺ نے صحابہ کو متقی بنایا۔ گویا اسلام کا سب سے پہلا معاشرہ اللہ کی منشاء کے عین مطابق سرور کونین، رسول الثقلین، صلی اللہ علیہ وسلم نے تشکیل دیا۔ وہ متقین کا معاشرہ ہے، وہ صحابہ کا معاشرہ ہے اسلام کی پہلی سوسائٹی جس پر المتقون، المفلحون، الفائزون، الراشدون کی اصطلاحات قرآنی کی تصدیق ہے۔ یہ فضا میں نہیں اپنے وجود میں تشکیل ہوئیں۔ اور اس متشکل وجود کا نام صحابہ ہے۔ جن کا قول و عمل متضاد نہیں تھا جن کے عمل میں صدق تھا۔ جن کے قول میں صدق تھا۔ جو دین کے لئے مال جان، عزت آبرو، ناموس، وطن جائیداد سب کچھ نثار کرنے کے لئے ایک لمحے میں تیار ہو جاتے تھے۔

یو ثرون علیٰ انفسھم لوکان بھم خصاصہ

کہ وہ اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں چاہے اس میں انکا ذاتی نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ قربانی کرتے تھے۔ ایثار کرتے تھے۔ یہ صفت صحابہ کی ہے۔

"والذین تبوؤ الدارو الایمان من قبلھم یحبون من ھا جرالیھم ولا یجدون فی صدورہم حاجۃ محا اوتو ویوثرون علی انفسھم ولوکان بھم خصاصہ"

قرآن کریم میں ساڑھے چار سو آیات صحابہ کرام کی مدح و توصیف میں بیان ہوئی ہیں۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے بعد پوری دنیا کے تمام مذہبی طبقات میں، مذہبی جماعتوں میں واحد اور پہلی دینی جماعت ہے جنکو صحابہ کہا جاتا ہے۔ اللہ جل جلالہ نے ایک نہیں پورے چار لاکھ صحابہ و صحابیات کے جیتے جی انکی بخشش کا اعلان کر دیا۔ بعض صحابہ کا تو نام لے لیا باقی صحابہ کو بغیر نام کے صاحب مغفرۃ بھا۔ دیو بندیوں کو نہیں، بریلوی اہل حدیثوں کو نہیں، احرار، جمعیتہ العلماء جماعت اسلامی کو نہیں، رات دن حرم نبوی میں ماتھا رگڑنے والے نمازیں پڑھنے والے انکو نہیں کہا۔ انکے پاس امید ہے لیکن صحابہ واحد جماعت ہے امت میں، جن کی مغفرت یقینی ہے جن پر رضاءِ الہیٰ

کی چادر تان دی گئی ہے۔ آپ کہیں گے کہاں ہے؟ ہم لوگ قرآن پاک پڑھیں تو بات بنتی ہے نا۔۔۔!
ہم تاریخ تو پڑھتے ہیں دشمن کی لکھی ہوئی، کسی دشمن صحابہ کی لکھی ہوئی، انکی بات کیونکر معتبر ہو سکتی ہے"
انکی کیا حیثیت ہے؟ وہ اپنا حدود اربعہ تو بتائیں۔
یہ لوگ کچی ڈوری اور تاگے کی امید کیساتھ بندھے ہوئے ہیں جو کسی وقت بھی ٹوٹ سکتا ہے لیکن صحابہ واحد طبقہ ہے
اس امت میں کہ جو یقین کی ڈوری سے بندھے ہوئے ہیں اس آیت مبارکہ پر غور فرمائیں۔

"لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا وکلا وعد اللہ احسنیٰ

صرف یہ دو جملے تمام دنیا کی تحقیق، اسکی ریسرچ الکاروبہ تنقید، ان کا حق تنقید جائز و ناجائز تنقید انکو ہمیشہ کے لئے جہنم میں پھینک دیں گی۔ ہمیشہ کے لئے مردود قرار دیں گے۔

---- لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل

نہیں برابر ہو سکتے تم میں جس نے خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا ۔۔۔ اولیک اعظم درجۃ یہ لوگ جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا بہت بڑے درجے والے ہیں۔۔۔۔ کن سے؟

من الذین انفقو من بعد و قاتلوا

ان لوگوں سے جن لوگوں نے مال خرچ کیا اور قتال کیا مکہ فتح ہونے کے بعد لیکن "وکلاوعد اللہ احسنیٰ" ان میں سے ہر ایک کے ساتھ حسن عاقبت کا وعدہ ہے کسی کے ساتھ یہ وعدہ نہیں کیا بجز صحابہ کرام کے! اگر کوئی شخص خدانخواستہ ایسا بد نصیب ہو جو یہ کہے کہ صاحب وہ تھے ہی کتنے؟ کوئی کہتا ہے کہ وہ تین تھے کوئی کہتا ہے کہ تیرہ تھے۔۔۔۔
صحابہ کے ساتھ صرف حسن عاقبت کا ہی وعدہ نہیں ہے بلکہ دنیا میں بھی انکو معیار حق وصداقت قرار دیا۔

واعلموا ان فیکم رسول اللہ لویطیعکم فی کثیرمن الامر لعنتم ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ، فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ہم الراشدون، فضل من اللہ ونعمة واللہ علیم حکیم۔

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ

حبب الیکم الایمان

تمہارے لیے ایمان میں نے خود چن لیا۔ اور "لکن" کے لفظ سے تاکہ (شکوک بھی دور ہو جائیں) لیکن بے شک اللہ نے

"حبب الیکم الایمان"

پسند کیا تمہارے لیے ایمان کو

وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان نسق و فجور

اور معصیت اے صحابہ میں نے تمہارے لیے ناپسند کئے

اولئک ہم الراشدون

راشد کسے کہتے ہیں؟ ہر صاحب ہدایت کو راشد کہتے ہیں رشد کی پہلی بنیاد تو یہ ہے کہ اللہ ایمان خود چنتا ہے اور کہتا

ہے

وزینہ فی قلوبکم

اور تمہارے دلوں کے طاقچے میں چراغ ایمان میں نے خود سجایا امت میں اور کسی کو یہ لقب نہیں دیا

زینہ فی قلوبکم

میں نے تمہارے ایمان کی انگوٹھی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نگینہ خود جڑا ہے۔ میں نے مزین کیا ہے تمہارے اجڑے دل کی بستی کو۔ ایمان کے موتی میں نے سجائے ہیں یہاں ایمان کے موتی میں نے لگائے ہیں۔

"الراشدون" پہلی بنیاد تو یہ ہوئی۔

دوسری بات۔۔۔۔ لغوی طور پر رشد کہتے ہیں

"ای کمال العقل ای بلوغ العقل والدین"

عقل بھی تمام حالات سے بہتر اس کے پاس ہو اور دینی اعمال کا کمال بھی اس کے پاس ہو وہ راشد ہے۔ اور باکمال دینی شخصیت وہ ہے جو حرام سے بچے۔ جو پیکر خلوص ہو۔ جو مشتبہ چیزوں سے بھی بچے۔ یہ صرف صحابہ کا وجود ہے۔ اس سے آگے اور چلیے اللہ پاک نے انہیں معیار ایمان قرار دیا۔

فان امنوا بمثل ماآمنتم بہ فقد ھتدوا

پس اگر وہ ایمان لے آئیں

بمثل ما آمنتم بہ

اس ایمان جیسا۔۔۔۔ جیسا صحابہ رسول کا ہے تب وہ ہدایت پر ہیں۔ ورنہ وہ ہدایت پر نہیں ہیں۔ ہمارا ایمان جب تک ان کے ایمان کی نقل نہیں ہوگا ان کے نقش قدم پر نہیں ہوگا ہم مومن کا ہے کے؟ گویا معیار ایمان و ہدایہ صحابہ کا وجود ہے۔ آخرت کی بات ایک اور سنیے کہ قرآن کیا کہتا ہے۔

۱۔ یوم لا یخزاللہ النبی والذین آمنوامعہ۔ نور ہم یسعیٰ بین ایدیھم و بایمانھم یقولو ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علی کل شی قدیر۔

۲۔ یاایھاالنبی جا ھدالکفارو المنافقین واغلط علیھم وما ٰوھم جھنم وبئس المصیر

یوم لایخزی اللہ النبی

وہ دن جس دن نہیں رسوا کرے گا اللہ نبی کو

"والذین آمنوامعہ"

اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان کے ساتھ کیا معنی ہے اسکا؟ قیامت کے دن اللہ نبی کو رسوا نہیں کرے گا۔ اور ان لوگوں کو جن کو معیت ایمانی حاصل ہے اللہ انکو بھی رسوا نہیں کرے گا۔ کیا مفہوم ہے اللہ کیا فرمانا چاہتے ہیں۔ ہمیں یہ بات سمجھ آتی ہے۔۔۔۔؟

ہمارے اکابر لکھتے ہیں قیامت کے دن وہ رسوا ہوگا جس کا دفتر کھلے گا۔ نامہ اعمال پیش ہوگا۔ وہ رسوا ہوگا۔ قیامت کے دن نہ رسول اللہ کا نامہ اعمال کھلے گا نہ دفتر کھلے گا نہ حساب کتاب ہوگا۔ نہ صحابہ کرام کا نامہ اعمال کھلے گا نہ دفتر کھلے گا نہ حساب کتاب ہوگا۔

"لا یخزاللہ النبی"

نہ رسوا کرے گا اللہ نبی کو اور انکو جنہیں معیت ایمانی حاصل ہے رسول اللہ کے ساتھ اور پھر معیتیں بہت سی ہیں۔ ہمدمی، سات ساتھ، سنگت، زمانے کی معیت، جگہ کی معیت، ماحول کی معیت، عمل کی معیت، سفر کی معیت، دستر خوان کی معیت، یقین کی معیت یہ تمام معیتیں صحابہ کو حاصل تھیں۔ مجھے اور آپ کو نہیں زیادہ سے زیادہ کمزور ایمان کی معیت وہ بھی کسی کے صدقے وہ بھی زنجیر جڑتی رہے۔ ایک دو تین چار یہ سلسلہ جڑار ہے مدینہ طیبہ تک اور یوں زنجیر جڑی رہے اور مدینہ طیبہ تک روٹ ہمارا سیدھا ہو جائے راستے میں کہیں کریک ہو گئی تو کام خراب ہو گیا ہمارا۔ زنجیر کا ایک کنڈا بھی ٹوٹ گیا ہم گئے۔ لٹیا ڈوب جائے گی ہماری۔ کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ صحابہ واحد طبقہ ہیں امت کا جنہیں معیت کے تمام گوشے مہیا کیے اللہ نے۔ اور ہمارے ہمعصر بزرگ علما میں سے ایک بزرگ مولانا سید نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ ملتان میں میں نے طلباء کا ایک فنکشن کیا انہوں نے اس میں بیان کیا۔۔ فرمایا۔۔۔! کہ یاد رکھو پوری امت قیامت کے روز اعمال کے بدلے میں تولی جائے گی جن کے ایک پلڑے میں اعمال ہوں گے ایک پلڑے میں وہ خود ہوں گے۔ صرف صحابہ کا طبقہ ایسا ہے کہ جن کے ایک پلڑے میں خود صحابہ ہوں گے اور ایک پلڑے میں معیت رسول ہو گی۔ نسبت صحابیت ہو گی۔ کون جیت سکے گا ان سے؟ کون بڑھ سکتا ہے ان سے؟ ایک پلڑے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت و معیت صحابیت ہو گی اس کا وزن ہو گا دوسری طرف تمام صحابہ۔ تیسری بنیاد! حضرت حاطب ابن ابی بلطعہ ایک صحابی ہیں غزوہ بدر کے شرکاء میں سے صحابہ کرام کی زندگی میں یہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی تیاریوں کے متعلق ایک رقعہ لکھ کر بھیجا کفار مکہ کو کہ میرے بیوی بچے بچ جائیں۔ مشرکین کو اطلاع کروں گا۔ مسلمانوں کا حملہ ہو گا اس طرح کچھ جان بچ جائے گی۔ بظاہر یہ راز آؤٹ کرنے کی بات ہے۔ مگر ان کی نیت پر شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے اس عمل سے جنگی حکمت عملی کو نقصان کا اندیشہ تھا۔ تاریخ میں یہ واقعہ موجود ہے۔ حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ نے لکھ کر بھیج دیا۔ اللہ نے اپنے خزانہ غیب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دی کہ توجہ فرمائیے یہ کچھ ہو رہا ہے۔ دو صحابہ ہیں ایک سیدنا علی مرتضیٰؓ اور دوسرے انکے ساتھی۔

ان دو صحابہ کو رقعہ لے کر جانے والی عورت کے تعاقب میں بھیجا اور اس نے اپنی چینڈھیوں میں رقعہ ارلس رکھا تھا۔ وہاں پہنچے اسے روکا وہ کچھ گڑبڑا گئی اور انکار کیا۔ انہوں نے اسے جھنجھوڑا اور اسے سمجھایا۔ اور فراست مومنانہ جو اللہ کے نبی کے صدقے ملی تھی کہ

اتقوا فراستہ المومن فانہ ینظر بنور اللہ

کہ مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے نور سے دیکھتا ہے۔ اور وہ روشنی نور ایمان ہے۔ نور اتباع رسول ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "تیرے بالوں میں ہے نکال" یہ فراست مومنانہ ہے جو نبی کی اتباع کے بغیر نہیں مل سکتی۔۔۔۔۔ جو ہر کسی کو نہیں ملتی۔ رقعہ پکڑا گیا وہ خاتون بھی واپس لوٹائی گئی۔ حاطب ابن ابی بلتعہؓ کو بھی بارگاہ رسالت میں بطور مجرم کے پیش کر دیا گیا۔ اب تربیت یافتہ رسول مجرموں کے کٹہرے میں ہے اور ولی ﷺ خود قاضی ہے۔ خود تفتیش ہے جس پر یہ سب کچھ وحی و الہام کے ذریعے وارد ہوا۔ اللہ نے جس کو خزانہ

غیب سے مطلع کیا۔ نہ وائرلیس سسٹم نہ کوئی اور آلہ ہے بغیر کسی آلہ کے ۔ مانو نہ مانو لیکن اللہ کو منوانا آتا ہے۔۔۔۔ اور وہ منوائے گا۔

فسوف ترئ اذانکشف الغبار

افرس تحت رجللک ام حمار

عنقریب تو دیکھے گا جب غبار چھٹ جائے گا کہ تو گھوڑے کا سوار ہے یا گدھے کا سوار ہے حقائق بالکل کھل کر سامنے آئیں گے، رک نہیں سکتے وقت کتنا لگے گا؟ یہ اللہ جانتا ہے اور پہلے یہی مشرکین مانیں گے انشاء اللہ تو حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ گرفتار ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ سچ بتاؤ یہ تم نے کیا حرکت کی؟ انہوں نے قسم اٹھائی، یقین دلایا اور کہا یا رسول اللہ یہ اپنے بیوی بچوں کو بچانے کے لئے حرکت کی تھی۔ آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے نہیں۔ کوئی گواہ بھی نہیں ہے مقدمہ ملاحظہ فرمائیے۔ اس کی خوفناکی، اس کے نتائج کی ہولناکی ملاحظہ کیجیے مجرم پکڑا جاتا ہے اور پھر کیا ارشاد ہوتا ہے۔

یا اهل بدر اعملواماشئتم قد غفرت لکم

اے بدر والو "اعملواماشئتم" جو تمہارے جی میں ہے کرو "قد غفرت لکم" ہم نے تمہیں بخش دیا۔ ان باتوں کو سامنے رکھو اور مسٹر ھشام ابن محمد صائب کلبی، مسٹر ابو مخنف لوط بن یحیٰ، مسٹر طبری، مسٹر ابن خلکان اور پاکستانی مسٹرز کچھ ایرانی، خراسانی، ساسانی ان کو مان لوں، انکی ریسرچ کو مان لوں؟ کیسے مان لوں؟ ان کو ماننے کا حکم نہیں دیا گیا۔ جو بیان کیا ہے اس کو ماننے کا حکم دیا گیا ہے۔

آمنوا بہ یغفرلکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم

اس پر ایمان لاؤ تب بخشے جاؤ گے۔ اس پر ایمان لاؤ تب دردناک عذاب سے نجات ہو گی حدیث کیا کہتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تحس النار من رء انی اور رایٔ من رء انی اوکما قال علیہ السلام

اسکو آگ نہیں چھوئے گی جس نے حالت ایمانی میں مجھے دیکھا یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔

اب جو آیت کریمہ میں نے پڑھی ہے اس کا ترجمہ سن لیجئے یہ حدیث اور وہ آیت کریمہ آپ سنیں گے تو قرنوں پر محیط صحابہ کی زندگی سمجھ میں آجائے گی۔

السابقون الاولون من المهاجرین والا نصار

سبقت لے جانے والے پہلے مہاجروں میں سے اور مددگاروں میں سے اور دوسرا

والذین اتبعو ہم باحسان

وہ لوگ جنہوں نے حسن عمل اور اخلاص کے ساتھ صحابہ کی اتباع کی ان سابقین اولین کی مہاجرین وانصار کی۔

مہاجرین وانصار کی دو قسمیں ہیں

السابقون ۲۔ الاولون

"والذین اتبعوهم باحسان"

جو لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں۔ اخلاص کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ۔ اعلیٰ اور بہترین رویہ کے ساتھ صحابہ کے ساتھ مخلصانہ فرمانبردارانہ رویہ رکھتے ہیں رضی اللہ عنہ اللہ ان سابقین اولین مہاجرین وانصار سے راضی ہو گیا۔ اور جو انکی اتباع میں ڈوب گیا ان سے بھی راضی ہو گیا یہ

لاتمس النار ----۴القرآن یفسر بعضہ بعضا

قرآن کی تفسیر خود اسکا بعض کرتا ہے اور قرآن کی تفسیر نبی ﷺ کے کلام میں ہے۔ مولنا ابوالکلام آزاد نے فرمایا الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ اور الحکم سے مراد حدیث رسول ﷺ ہے۔

یعلمهم الکتاب والحکمہ

کہ نبی انہیں سکھاتے ہیں کتاب مجید اور اپنی کلام جو حدیث ہے۔ کتاب اللہ کلام اللہ ہے۔ لیکن زبان رسول اللہ کی ہے۔ اور حدیث کلام بھی محمد الرسول اللہ کا ہے زبان بھی محمد رسول اللہ کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الاانی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ

خبردار! مت سمجھو کہ حدیث میری طبع زاد چیز ہے۔

میری طبع زاد چیز نہیں ہے

انی اوتیت الکتاب

بے شک مجھے کتاب بھی دی گئی ہے

ومثلہ معہ

اور اس کے ساتھ ایک اور چیز بھی دی گئی ہے جسے حدیث کہتے ہیں۔ الحکمہ سے مراد حدیث ہے جو قرآن کی تفسیر ہے۔

السابقون - الاولون- المهاجرون- الانصار

چار صفتوں کا طبقہ صحابہ اور پھر ان کی اتباع کرنے والے۔ فتح مکہ کے بعد کے صحابہ اس آیت کے نزول کے بعد کے صحابہ، تابعین، تبع تابعین یہ سب اس میں شامل ہیں اور قیامت تک کے لوگ جو ویسی ہی اتباع کریں گے جیسا کہ قرآن کا مطالبہ ہے۔ انشاءاللہ انشاءاللہ انشاءاللہ بقول علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے "تحقی کلا تعلیقا" کہ معلق کرنے کے لئے نہیں ہے تحقیق کرنے اور جوڑنے کے لئے ہے کہ اللہ پاک ہم سب سے صحابہ کے صدقے راضی ہو جائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھ ایسے اپنے عاجز بندے سے اپنے دین کی کچھ باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی توفیق عطاء فرمائی۔

وآخرد عوانا ان الحمد الله رب العلیمین۔

○

تصحیح

قل من رب السموات والارض۔ قل اللہ قل افاتخذ تم من دونہ اولیاء لایملکون لا نفسھم۔ نفعاً ولا ضرا۔ قل ھل یستوی الاعمیٰ والبصیر۔ ام ھل تستوی الظلمت والنورہ ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شی وھوالواحدالقھار

پوچھ کون ہے رب آسمانوں اور زمین کا کہہ دیجئے اللہ ہے۔ کہہ پھر کیا تم نے پکڑے ہیں اس کے سوا ایسے حمایتی جو مالک نہیں اپنے بھلے اور برے کے۔ کہہ کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور بینا۔ یا کہیں برابر ہے اندھیرا اور اجالا کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اللہ کے لئے شریک۔ کہ انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیسے پیدا ہے اللہ نے۔ پھر مشتبہ ہو گئی پیدائش ان کی نظر میں۔ کہہ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کو اور وہی اکیلا ہے زبردست۔

گذشتہ شمارے میں حضرت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کے خطاب "اسلام اور جمہوریت" میں کمپوزنگ اور پیسٹنگ کی بعض اغلاط رہ گئی تھیں۔ قارئین ان کی تصحیح فرمائیں۔

۱۔ آغاز خطاب میں درج بالا آیت کریمہ اور ترجمہ کا اضافہ فرمائیں۔

۲۔ ص ۲۲ پر انیس کا شعر غلط لکھا گیا ہے اسے یوں درست فرمائیں۔

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

تحریکِ آزادی کے نامور رہنما اور صاحبِ طرز
ادیب مفکرِ احرار چودھری افضل حق ؒ کی خودنوشت سوانح

میرا افسانہ

چالیس برس بعد دونوں حصے یکجا شائع ہوگئے ہیں۔
میرا افسانہ: ایک عہد اور زمانے کی سوانح ہے۔
جس میں جہادِ آزادی کے اُن مجاہدوں کا تذکرہ ہے
جنہوں نے انگریزی سامراج اور اس کے حاشیہ نشین جاگیرداروں کے مظالم سہے، اخلاقی سازشوں، سیاسی بوچھاڑوں اور قیدوبند کی فصیلوں کو گرا کر ڈھیر کر دیا، جبرواستبداد کی آہنی زنجیروں کو عزم آہن گداز سے توڑ کر کرچی کرچی کر دیا۔

کمپیوٹر کتابت، اعلیٰ طباعت، خوبصورت جلد، صفحات ۲۰۸، قیمت =/۱۱۰ روپے

بخاری اکیڈمی، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹ قسط ۳

ہندوستان میں عیسائیت کی یلغار

انگریزوں نے اپنی حکومت کے خیر خواہوں اور ان ماہرینِ تعلیم کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے عملاً اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر سرکاری اداروں میں انگریزی کو لازمی زبان قرار دے دیا۔ تورات و انجیل کے مخصوص اور منتخب حصوں کے پڑھنے کے لئے انگریزی زبان کا ناجائز استعمال کیا گیا اور اسلامی زبانوں کی تعلیم و تدریس کی راہ میں ہر قسم کی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ ان زبانوں کے سیکھنے اور سکھانے والوں کو ملازمت کے بہت سے مواقع سے محروم رکھا گیا۔ کیونکہ وہ مشنری اسکولوں میں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے قائل نہ تھے۔

گورنر جنرل ہند لارڈ ولیم بینٹنگ نے انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں اپنے مشیرِ خاص مؤرخ ماکولی کے مشورہ پر یہ قانون بنایا کہ انگریزی زبان کی تعلیم و تدریس کا اعلیٰ انتظام کرنا حکومت کی اولین ذمہ داری ہے۔ چنانچہ انگریزوں نے ملک کے مختلف حصوں میں اس نہج پر چلنے والے اسکول اور کالج قائم کئے۔ (اتول ترجی ! الہند الجدیدہ ص ۱۳۵، شاتلیہ ! الغارۃ علی العالم الاسلامی ص ۸ نور الدین داؤد ! محنۃ فی الفردوس ص ۱۸۸)

۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے نے ماہر تعلیم ہونے کے ناطے حکومت برطانیہ کو ایک ایسا نظامِ تعلیم مرتب کرنے کی ضرورت پر زور دیا جو انگریزی حکومت کی مصلحتوں کو ملحوظِ خاطر رکھے۔ اور اس بات پر بھی زور دیا کہ مشرقی زبانوں کے بجائے انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا جائے۔ اس نے کہا کہ ہمیں ایسے لوگ چاہئیں جو ہمارے اور ہماری رعیت کے مابین ترجمان کا کام دیں اور یہ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو رنگ و خون کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہوں لیکن ذوق و رائے اور زبان و فکر کے لحاظ سے انگریز ہوں۔

(الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ العربیۃ ص ۱۶۷ لابی الحسن علی الندوی)

انگریزوں کی اسلامی زبانوں سے دشمنی کا دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ ہندوستان کی قدیم زبانوں کے احیاء کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ ہندوؤں کی تاریخ اور تمدن سامنے آسکے اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ واریت کو ہوا دی جائے۔ چنانچہ انگریزوں نے کلکتہ میں ۱۸۰۰ء میں "دان جیکرسٹ" نامی ایک مستشرق کے زیر اہتمام "فورٹ ولیم کالج" قائم کیا۔ اس کے علاوہ انگریزی، لاطینی اور سنسکرت کی تعلیم دینے کے لئے بہت سے کالج کھولے گئے۔ اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ زبان، ثقافت اور تہذیبی روایات کے تضاد کی بناء پر مسلمان اور ہندو طلبہ کے مسائل بڑھ گئے۔

سنسکرت کو سبھوں کے لئے لازمی کر دیا گیا۔ مہاتما گاندھی نے ایک مرتبہ اعلان کیا تھا کہ: "ہندوؤں کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اردو زبان کا مطلق سہارا نہ لیں کیونکہ یہ صرف مسلمانوں کی کتابوں کی زبان ہے۔ لیکن جہاں تک سنسکرت کا معاملہ ہے تو یہ ہندوستان کی مذہبی امہات کتب کی زبان ہے"۔

(ابوالحسن علی الندوی! المسلمون فی الهند ص ۱۱۲، انور الجندی! العالم الاسلامی والاستعمار ص ۳۶۳-۳۶۵، ساداتی! تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الهندیۃ جلد ۲ ص ۳۲۵)

ماہرین تعلیم نے انگریزوں کو جو تعلیمی پالیسی اختیار کرنے کا مشورہ دیا اس کے کیا نتائج بر آمد ہوئے۔ اس کو بھی ایک انگریز مونیہ ولیمس کی زبان سے سنیئے:

"وہ (مسلمان) اپنی زبان کو خیر باد کہتے ہوئے اپنی ادبیات، فلسفہ اور دین کو حقیر سمجھتے ہیں اور ہماری تربیت سے جو انحطاط ہوتا ہے اس کا آخر ہم سے بدلہ لیتے ہیں"۔

(میبر بالو! ہسٹر آف ایجوکیشن ص ۷۰، ابوالحسن علی الحسنی الندوی: الصراع بین الفکرۃ الاسلامیہ والفکرۃ الغربیتہ ص ------)

گستاف لیبان نے مونیہ کے کلام پر یہ حاشیہ چڑھایا ہے کہ:

"اس پر مستزاد وہ زبردست فکری شکوک وشبہات تھے جو خالص مغربی تربیت کی بناء پر ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ تربیت اخلاق سے عاری ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کے عادات و اطوار میں ان پختہ دینی بنیادوں کا فقدان ہوتا جو ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہوئی تھیں"۔ (حضارات الهند ص ۶۹۳)

نتائج تو ان مدارس و کلیات کے یہی نکلنے تھے جو نکلے اور آج تک نکل رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے قیام کی غرض و غایت ہی مسلمانان پاک و ہند کو دین اور دینی اقدار سے دور لے جانا تھا تاکہ وہ اپنی دینی قومیت اور روحانی تاریخی ورثے کو یک قلم فراموش کر کے انگریزی حکومت اور اس کی تہذیب کی مضبوطی کا باعث بنیں۔ یہ مدارس اور کالج ہندوؤں کے فائدے کے لئے بھی نہ تھے کیونکہ ایک انگریزی ماہر تعلیم نے حکومت کو اس بارے میں یہ مشورہ دیا تھا کہ:

"ہندوؤں کی بھی اتنی ہی تعلیم و تربیت کی جائے جتنا وہ ہماری تجارت اور حکومت کے لئے مفید ہو سکیں"۔

(عبدالمنعم النمر! تاریخ الاسلام فی الهند ص ۳۹۸، مسعود عالم الندوی! الدعوۃ الاسلامیہ فی الهند و تطوراتها ص ۳۰)

یہ درست ہے کہ انگریزی تعلیم نے نہ تو ہندو کو ہندو رہنے دیا اور نہ مسلمان کو مسلمان، نہ سکھ کو سکھ اور نہ عیسائی کو عیسائی لیکن اس سے سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو پہنچا۔ کیونکہ دیگر تمام مذاہب کا کوئی پس منظر نہیں جبکہ اسلام کی روحانی اور تاریخی طاقت کا کوئی مدمقابل نہیں۔ یہ سارے مدارس و کلیات مسلمانوں کی قومیت کو نیست و نابود کرنے کے لئے کھولے گئے تھے۔ تاکہ ان کے تاریخی اور روحانی ورثہ کو تباہ و برباد کر کے انگریزی تہذیب و ثقافت میں رنگ دیا جائے بلکہ مدغم کر دیا جائے اور ان کے اجتماعی نظم کو غارت کر کے ان کی اجتماعی قوت کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ چنانچہ اس بات کا اعتراف ایک انگریز ماکولی نے اپنے باپ کے نام ایک خط میں یوں کیا ہے کہ:

"اس تعلیم نے ہندوستان میں وہ اثر دکھایا ہے کہ انگریزی جاننے والا ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جو انگریزی جاننے کے بعد اپنے دین کی صداقت پر قائم رہا ہو"۔

(عبدالمنعم النمر! تاریخ الاسلام فی الهند ص ۴۰۱)

مسٹر ہابسن ایک انگریزی ماہرِ تعلیم نے ان الفاظ میں اس تعلیم کے اثرات کا اعتراف کیا کہ:
"ہم (انگریز قوم) ہندوستان میں ہندوستانیوں کی خیریت اور بہبودی کے لئے نہیں آئے بلکہ ہم نے یہاں مدارس و کلیات میں ایک ایسا نظامِ تعلیم رائج کر دیا ہے جس کا بتدریج یہ تقاضا ہے کہ وہ ان کی دینی اور اجتماعی زندگی کو خرافات کے طور پر ان کے سامنے پیش کرے اور انسانی حقوق کی پامالی کا باعث بنے"۔ (ھوبسون: الامیر یالیہ ص ۳۰۶)

مسلم اوقاف پر قبضہ:

مسلمان امراء اور حکام نے مدارس، مساجد اور دوسرے دینی احکام کے سرانجام دینے کے لئے بڑے بڑے اوقاف قائم کئے ہوئے تھے جن کی آمدنی سے یہ ادارے چلتے تھے۔ انگریزوں نے جونہی انگریزی نظامِ تعلیم کو رائج کیا اور اس کی ترویج کے لئے بڑے بڑے مدارس اور کالج قائم کئے ان مدارس و کلیات کو چلانے کے لئے اوقاف پر قبضہ کر لیا اور اس آمدنی پر بھی قبضہ کر لیا جو ان اوقاف سے حاصل ہوتی تھی۔ اور ان ذرائع آمدنی پر بھی قبضہ کر لیا جن سے مساجد اور مسلمان بچوں کی تعلیم کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ بعض مساجد کو گرجا گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ ان میں دہلی کی ایک مسجد بھی شامل تھی جس پر انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد قبضہ کر لیا تھا۔ وائسرائے ہند نے بعد میں دہلی کے لئے جب ایک خاص پادری کا تقرر کیا تو اس مسجد کو گرجا گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔

(مسعود عالم الندوی! المسلمون فی الھند ص جمال الدین الافغانی! العروۃ الوثقیٰ ص ۱۳۴ عبدالمنعم النمر! تاریخ الاسلام فی الھند ص ۲۵، عبدالعزیز نوار: الشعوب الاسلامیہ ص ۵۵۶)

لارڈ ہیسٹنگز نے ۱۷۷۲ء مطابق ۱۱۸۵ھ میں مساجد کے اوقاف پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن یہ ناکام رہا۔ اس کے بعد لارڈ کارنوالس گورنر جنرل ہند نے ۱۷۹۳ء مطابق ۱۲۰۷ھ میں پھر اوقاف کو سرکاری تحویل میں لینے کی طرف توجہ کی لیکن اس کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پھر ۱۸۱۵ء مطابق ۱۲۲۹ھ میں انگریزی عدالت نے اپنے ایک انگریز جسٹس کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے اوقاف کو چھین لیا جائے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے انگریزی حکومت کی آمدنی میں تین لاکھ پونڈ کا اضافہ متوقع تھا۔ بنگال کے صوبہ کے ٹیکس کی آمدنی کی ایک چوتھائی انگریزوں تک نہیں پہنچ پاتی تھی کیونکہ مدارس اور مساجد کے اوقاف میں شامل اراضی ٹیکس سے مستثنیٰ تھی اور اوقاف زیادہ تر بنگال ہی میں تھے۔

انگریزی زبان کی ترویج اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی جب تک دینی اور تعلیمی ادارے بند نہ ہوں۔ اور ان کو بند کرنے کا نہایت مؤثر طریقہ صرف یہی تھا کہ جن اوقاف کی آمدنی پر وہ ادارے چل رہے ہیں۔ ان اوقاف پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسلامی اوقاف پر قبضہ کرنے سے مسلمان اپنے بہت سے اداروں سے محروم ہو گئے۔ اوقاف کے چھن جانے کے بعد مساجد، بڑے بڑے تالاب، پارک اور دوسری کئی ایک چیزیں بالکل ویران ہو گئیں۔ مساجد یا تو گرجا گھروں میں تبدیل کر دی گئیں یا پھر انگریزی حکومت کی بارکوں اور چھاؤنیوں میں۔ انگریزوں کو

اس بات کا خود اعتراف ہے کہ انہوں نے مسلمانوں پر عیدین کی نماز ادا کرنے اور دیگر دینی رسوم پر پابندی عائد کر دی تھی۔ عیسائی مشنریوں نے حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ جمعہ کو سرکاری چھٹی کا دن منسوخ کر کے اتوار کو سرکاری چھٹی کا دن مقرر کیا جائے تاکہ کسی حال میں بھی سرکاری اداروں میں ملازمین کو اسلامی آداب اور روایات کے سامنے جھکنا نہ پڑے۔

(شاتلیہ: الغارۃ علی العالم الاسلامی ص ۷۴، محمود شاکر! پاکستان ص ۲۶)

ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب THE INDIAN MUSLAMAN میں لکھا ہے:

"مسلمان ہم پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو دینی امور کے انجام دینے سے روکا ہے۔ انکے نزدیک ہمارا یہ سب سے بڑا جرم ہے کہ ہم نے ان اوقاف کو چھین لیا جو مسلمان سربراہوں نے مساجد اور تعلیم کے لئے وقف کئے تھے اور ہم نے ان کا دوسرا مصرف نکالا۔ عیدین اور نکاح ورواج کے قواعد وضوابط بدل ڈالے"۔

ہنٹر نے مزید لکھا ہے کہ:

"ہم نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ذلیل کیا اور ان کے قانونِ وراثت کو مسخ کر دیا۔ ان کے دینی شعائر کو مضحکہ بناتے تھے۔ ان کی مساجد کے اوقاف اور سارے صوبے ہمارے قبضہ میں آگئے"۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مسلمانانِ ہند ص ۲۰۸، عبدالمنعم النمر، تاریخ الاسلام فی الہند ص ۴۰۹ وغیرھم)

انگریزوں نے صرف مسلم اوقاف ہی پر قبضہ نہ کیا بلکہ جن علماء نے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا ان کی ذاتی جائیدادوں کو بھی غصب کر لیا۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے جب زبان و قلم کے ساتھ ساتھ اپنی فوج کے ہمراہ تیغ و تفنگ سے بھی انگریزوں کے خلاف عملاً جہاد کیا اور بعض لڑائیوں میں انگریزوں کو شکست بھی دی تو تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ اس جرم کی پاداش میں انگریزوں نے حضرت مولانا کی تمام جائیداد بحق سرکاری ضبط کر لی اور بعد میں اپنے چند حاشیہ برداروں بلکہ غدارانِ قوم و وطن کے ہاتھ اونے پونے میں نیلام کر دی۔ لیکن حضرت مولانا قدس سرہ نے اپنی جائیداد کے اس نیلام کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہ دی اسی طرح اور کئی دوسرے علماء کے ساتھ بھی کیا گیا۔ ان کو تختۂ دار پر چڑھایا گیا بعض کو عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ لیکن یہ حضرات اپنے مؤقف اور مشن سے ایک بالشت بھی اِدھر اُدھر نہ ہوئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علماء پر سختی

ہندوستان میں مشنریوں نے لوگوں کو عیسائی بنانے کے لئے جو یلغار کی اور ہر طریقے سے لوگوں کو انگریزی مذہب اور انگریزی تہذیب و تمدن میں رنگنے کی کوشش کی تو مشنریوں کی یلغار اور انگریزی سامراجیت سے ان کی ملی بھگت سے پیدا ہونے والے خطرات علماء کی نظروں سے مستور نہیں رہ سکتے تھے۔ علماء کی بصیرت اور ان کی دور رس نگاہوں نے فوراً اس فتنہ کو بھانپ لیا اور نہ صرف زبان و قلم سے بلکہ عملاً تیغ و تفنگ سے ان کے خلاف جہاد کرنے پر کمر بستہ ہو گئے۔ علماء اگرچہ بے سروسامان تھے۔ نہ قالین ان کے پاؤں تلے تھے اور نہ چترشاہی سر پر تھا

لیکن درویش جب تاج شاہی سے ٹکراتا ہے تو قباؤں کے پیوند ہی اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ جنونِ شوق سے جب دیوانے بادہ پیمائی کو نکلتے ہیں تو بادِ سر گاہی بادِ سموم سے ہم آہنگ ہوتی ہے کہ ریت کے ذرات دیوانوں کی پیشوائی نہ کر سکیں۔ لیکن جن کے سامنے منزل ہوتی ہے وہ آبلہ پائی کے نشانوں پر سفر کرتے ہیں۔ زمانہ کی کوئی رکاوٹ ان کا راستہ نہیں روک سکتی اور نہ وقت کا کوئی فیصلہ ان سے متصادم ہوتا ہے۔ وہ راستہ کے ہر سنگ گراں سے کبھی بچتے اور کبھی اسے پائے استحقار سے ٹھکراتے ہوئے اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو جاتے ہیں۔ آبلہ پائی بھی انہیں سفر سے باز نہیں رکھ سکتی کیونکہ ان کی نگاہ نشانِ منزل پر ہوتی ہے۔ وہ یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ:

پاؤں کے چھالوں سے کانٹوں کی بجھائی میں نے پیاس

جس طرف کو میں چلا گویا کہ میخانہ چلا

بجلیاں اس کو راستہ دکھاتی ہیں۔ آسمان کے فرشتوں کو اس کی مدد کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اور ہر ظلم و تشدد کو وہ خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔

انگریزوں کی اس پالیسی کے خلاف علماء نے بغیر کسی خوف و خطر کے فتویٰ دیا کہ انگریزوں کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ مراسم، تعاون اور مشنری اسکولوں میں مسلمان بچوں کو بھیجنا ناجائز اور حرام ہے۔ علماء نے مساجد کے منبر اور مدارس کے پلیٹ فارم سے خطاب کر کے مسلمانوں کو اس مسئلہ کی سنگینی سے آگاہ کیا۔ اور سامراجیت کے ساتھ ساتھ عیسائیت کے ساتھ سخت مقابلہ کی دعوت دی۔ اس معاملہ میں انگریزوں سے ٹکر لینے میں پیش پیش وہی علاقے رہے جن میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی۔ عقیدۂ جہاد کے سرچشمہ سے پھوٹنے والی قوت کا مقابلہ کرنے میں انگریزوں کو سخت مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی وجہ سے انگریزوں نے بعد میں مرزا غلام احمد قادیانی سے نبوت کا دعویٰ کروا کر مسئلہ جہاد کو حرام قرار دینے کی پوری پوری کوشش کی۔ چنانچہ ولیم ہنٹر نے اعتراف کیا ہے کہ انگریزوں کا اولین اور سخت مقابلہ کرنے والے علاقوں میں سرفہرست ہندوستان کے شمالی اور مغربی حصے آتے ہیں۔ کیونکہ ان ہی علاقوں میں علماء نے سب سے پہلے جہاد کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ بنگال کے مسلمانوں کا اس کے بعد نمبر آتا ہے۔

عبدالعزیز نوار: الشعوب الاسلامیہ ص ۵۵۹، عبدالمنعم النمر: تاریخ الاسلام فی الہند ص ۲۴۸، ص ۴۴۲)

آپ کے عطیات

محاسبہ مرزائیت و رافضیت کی جدوجہد کو تیز کرنے کے لئے اپنی زکوٰۃ، صدقات اور عطیات اپنی جماعت مجلس احرار اسلام کو دیجئے۔

بذریعہ منی آرڈر: سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

بذریعہ بنک ڈرافٹ یا چیک۔ اکاؤنٹ نمبر ۲۹۹۳۲ حبیب بنک حسین آگاہی۔ ملتان۔

پروفیسر محمد اکرام تائب
عارف والہ

چور آئے نظر جدھر دیکھا

"جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا
چور آئے نظر جدھر دیکھا
بیگ نوٹوں سے ہو گئے خالی
"جس طرف تُو نے آنکھ بھر دیکھا"
بات سُنتا نہیں کوئی افسر
ہم سے جو ہو سکا سو کر دیکھا
کام بنتا نہیں ہے رشوت بِن
"ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا"
یُوں نہ ہر وقت مار بچوں کو
مار سے خُوب ہم نے ڈر دیکھا
اپنے گھر جی ہی اب نہیں لگتا
ہم نے اچھا تمہارا گھر دیکھا
باپ کی عمر کا ہے یہ دولہا
کون اندھا تھا جس نے بر دیکھا
عشق تائب ایسا مکان ہے
جس میں کھڑکی نہ کوئی در دیکھا

مفکر احرار چودھری افضل حقؒ

تلخیص: عبدالمجید قریشی

قسط نمبر ۲

میرا افسانہ

سب انسپکٹر انچارج، متعدد ڈکیتیوں کی تفتیش پر لگے ہوئے۔ کئی ماہ کے بعد تھانے آئے اور اُسی روز تھانہ پھلور کے علاقے میں روانہ ہوگئے۔ وہ گرانڈیل جوان تھے، لیکن ذرا پیٹ بڑھا ہوا تھا۔ شام کے قریب ایک ٹم ٹم پر سوار ہو کر واپس لوٹے۔ اُنہیں مہاجن سمجھ کر ڈاکوؤں کا گروہ اچانک حملہ آور ہوا۔ ایک ڈاکو نے حوصلے سے آگے بڑھ کر بندوق ہاتھ سے چھیننا چاہی۔ دونوں میں کشمکش جاری ہو گئی۔ باقیوں نے لاٹھیوں سے حملہ کر دیا۔ ایک سپاہی اور ہیڈ کانسٹیبل ہمراہ تھے۔ وہ تو گرم سرد دیکھ کر بھاگ نکلے۔ سب انسپکٹر مرد خدا خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔ ایک ڈاکو بندوق کی نالی کے سامنے آ کر سر پر ضرب کاری لگانا چاہتا تھا کہ سب انسپکٹر نے بندوق چلادی، چھرے سینے کو چھلنی کر گئے۔ وہ لوٹنی کھا کر گرا، پھر سنبھلا اور جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ اُس کے باقی ساتھیوں نے بندوق لاٹھیوں سے ناکارہ کر دی۔ سب انسپکٹر نے اُن میں سے ایک لاٹھی چھین کر بہادرانہ مقابلہ کیا۔ جس کو اُس کی ایک لاٹھی لگ گئی، کاری ہوئی، اگرچہ سب انسپکٹر کے مقابلے میں گبرو جوان تھے، مگر وہ بھی پنجاب پولیس میں فرد تھا۔ اُس دیو ہیکل کو دیکھ کر ڈاکوؤں نے یقین کر لیا کہ وہ کسی جن کے قابو میں آ گئے ہیں، اس لیے جان بچانا فرض خیال کر کے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔

ہیڈ کانسٹیبل اور کانسٹیبل موقع مناسب دیکھ کر آ گئے۔ اتنے میں جھاڑیوں میں کسی کے کراہنے کی آواز سن کر اُدھر متوجہ ہوئے تو بندوق سے مجروح ڈاکو کو جاں بلب پایا۔ جُوں تُوں کر کے اسے اٹھایا، لیکن وہ تھانے پہنچنے سے پہلے اعمال کی جواب دہی کے لیے خدا کے حضور میں چلا گیا۔ متوفی کے لباس اور جوتے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ لاہور اور منٹگمری کے درمیانی علاقے کا باشندہ ہے۔ اگرچہ عملہ مقدمے کی کامیابی سے مایوس تھا، لیکن میں پُر امید تھا میں نے اس لائن کے تمام تھانوں میں جا کر تحقیقات کی۔ چند روز کے بعد تھانہ قصور کا سب انسپکٹر ایک شخص کو ہمراہ لایا لاش زنانہ ہسپتال لدھیانہ میں محفوظ تھی۔ سب انسپکٹر کے ہمراہی نے کہا کہ یہ میرے بھائی کی لاش ہے جس کے متعلق اس کے ساتھیوں نے بیان کیا تھا کہ کسی دیو نے اسے مار ڈالا ہے، چنانچہ لاہور پولیس سے مل کر یہ تجویز ہوئی کہ بیک وقت متوفی کے ہمراہیوں کو گرفتار کیا جائے۔ غرض ۲۰ کانسٹیبل ۴ ہیڈ کانسٹیبل اور دو سب انسپکٹر ایک گروپ بن کر سر شام دیہات کو روانہ ہوگئے۔

مجھے اور ضلع لاہور کے ایک سب انسپکٹر کو جو علاقے سے بخوبی واقف تھا، ایک سمت روانہ کر دیا گیا۔ ہمیں ہدایت ہوئی کہ جہاں تک ہوسکے، بکھے نامی شخص کو گرفتار کیا جائے، لیکن ملزم خطرناک ہے، ہر طرح ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے! اس سے بھی اہم کام جس پر ہمیں مامور کیا گیا، وہ یہ تھا کہ متوفی کے گھر کی تلاشی لے کر مشتبہ اشیاء کو فوراً قبضے میں کر لیں اور صبح دس بجے سے قبل واپس قصور لوٹ آئیں۔

ہم نے سب سے پہلے بکھے کے گاؤں کا رخ کیا۔ کچھ رات گئے گاؤں میں داخل ہوگئے اور ایک وسیع صحن کے

مکان کا جا محاصرہ کیا۔ بہت سے آدمیوں کے پاؤں کے آہٹ سن کر ایک عورت اندر سے نکلی۔ چاند ابھر آیا تھا۔ عورت کیا نکلی ماہتاب ماند پڑ گیا۔ لباس سادہ مگر اداء رنگین۔ اس نے سب انسپکٹر کو پہچان کر ہمدم دیرینہ کی طرح خیر مقدم کیا۔

سب انسپکٹر بھی شمع پر پروانے کی طرح گرا جا رہا تھا مجھے ان کے راز و نیاز بے محل معلوم ہوئے۔ تفتیش میں عشق بازی کا وقت نہ تھا، لیکن علاقے سے ناواقف ہونے کے باعث خاموش تماشائی بنا رہا۔ وہ صدقے قربان کہتی ہوئی اندر لے گئی۔ دیا جلایا، تو وہاں ایک اور قندیل روشن تھی۔ ایک اور چندے ماہتاب نوجوان لڑکی سلک کا لباس پہنے ابھی خواب جوانی سے اچانک اٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا جسے دیکھ کر دماغ میں نشہ اور طبیعت میں سرور پیدا ہوتا تھا۔ یہ بکھے بدمعاش کی ماں اور بہن تھیں۔ لڑکی پولیس کی آمد سے مطلق ہراساں نہ تھی، بلکہ مسرت اس کے لبوں پر کھیلتی تھی اور وہ مسکرا کر باغ و بہار پیدا کر رہی تھی۔ آخر وہ قتالۂ عالم محشر بپا کرتی اٹھی کوٹھڑی میں سے نیا بستر اٹھا کر لائی اور ایک پلنگ پر بچھا کر میرے بیٹھنے کے انتظار میں خود کھڑی رہی۔ ایک ہیڈ کانسٹیبل نے میرا بازو پکڑ کر پلنگ پر بٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ کسی کی منت مان لیں۔ اس پر وہ مسکرا دی۔ مجھ پر اوس پڑ گئی۔ ایسی آفت جاں کا پہلی دفعہ سامنا ہوا تھا۔ میں گرم سرد چشیدہ نہ تھا۔ سب انسپکٹر کو تو ہر فن مولا ہونا چاہیے تھا، لیکن میں مکتب عشق کا ابجد خواں بھی نہ تھا۔ اس لیے حجاب ماب دوشیزہ کی طرح گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

ایک ہیڈ کانسٹیبل زبر کو یوں زیر دیکھ کر بات کرنے کے بہانے مجھے وہاں سے اٹھا کر باہر لے گیا اور کہنے لگا: بکھے کی ماں سو کھیتیاں کھا کر آئی ہوئی رام گئو ہے۔ جو اس سے دودھ چاہتا ہے، وہ خون دے کر جاتا ہے۔ یہاں شب باش ہونا قرینِ دانش نہیں۔ دو سب انسپکٹروں کے قتل کے الزام سے بری ہو چکی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر یا جلتر چل جائے!"

میں نے دوسرے سب انسپکٹر کو الگ بلا کر سمجھایا کہ حسن کی ارزانی دیکھ کر قیمتی جان جوکھوں میں ڈالنا ٹھیک نہیں۔ اس نے پلٹ کر ان قتالہ اور آتش کی پرکالہ، ماں بیٹی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ان کے گھر شب باش ہونے کی التجا تھی۔ سب انسپکٹر نے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دئیے اور مجھ سے کہا کہ رات گزر رہی ہے، جوانی میں کامرانی کی ایسی راتیں کب ملتی ہیں۔

اس کی یہ بے باک گفتگو سن کر میں روایتی بزدل کی طرح بالکل بد حواس ہو گیا۔ ادھر ادھر دیکھ کر اطمینان کرنے لگا کہ کوئی سنتا تو نہیں ہے۔ یہاں نگاہ کو دعوت نظارہ دے کر چھپ جانے والے محبوب سے سابقہ نہ تھا، بلکہ عزت کو بازاری جنس سمجھ کر فروخت کرنے والے سے معاملہ تھا۔ میرا ساتھی سب انسپکٹر آبرو کی سوداگری میں مصروف ہو گیا اور میں متوفی کی خانہ تلاشی کے لیے چلا آیا۔

اصرار اور تکرار میں عجب کرامات ہے۔ نادہندہ سے بھی ڈوبی ہوئی رقم مل جاتی ہے، مر جانے والا مان جاتا ہے۔ بات چھپانے والا بتا دیتا ہے۔ میں نے یہ نسخہ تفتیش جرائم میں آزمایا اور اسے ہمیشہ تیر بہدف پایا۔ چالاک سے چالاک ملزم کو علیحدہ بٹھا کر یہی سوال کرتا اور کرواتا کہ بھئی ٹھیک ٹھیک بتا دو۔ ہر سوال پر ملزم لاعلمی کا اظہار کرتا

اور میں اور شد و مد سے وہی سوال برابر دہراتا۔ خود تھک جاتا، تو ہیڈ کانسٹیبل کو اسی سوال کو مختلف لفظوں میں دہرانے پر لگا دیتا۔ تا آنکہ دو گھنٹوں کے اندر اندر ملزم دماغی کوفت محسوس کرنے لگتا اور جھنجھلا کر انکار کرتا۔ یہ بحران کا وقت ہوتا ہے، اس موقع پر جلد جلد سوال مختلف طریقوں سے دہرانا چاہیے: "بتا دو بھئی! سچ سچ بتا دو، اچھا کچھ تو کہو، بھئی ٹھیک ٹھیک بتاؤ، بس جلدی بتاؤ! جتنا جواب دینے میں جھنجھلائے گا، اتنا ہی جلد راز افشا کر دے گا۔

اس مقدمے میں متعدد گرفتار شدگان میرے سپرد کیے گئے۔ اصرار کے اس آزمودہ گر سے تمام ملزم مجبور ہو کر رازِ دل بیان کرنے لگے۔ سب حیران تھے کہ میرے پاس کیا جادو ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

ابھی تفتیش تشنۂ تکمیل تھی، کہ بڑے بھائی کی علالت نے اُن کی عمر کا پیمانہ لبریز کر دیا۔ ان کی موت سے میرے اثر پذیر دل پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

انہیں دنوں فاتح اتحادیوں نے مفتوح ترکی کو خوانِ یغما سمجھ کر آپس میں بانٹا "شیر برطانیہ" نے حسب معمول سب سے بڑا حصہ حاصل کیا۔ مسلمانوں کے قلب مجروح ہو گئے عہد نامۂ سیورے، مسلمانوں کی سیاسی موت پر مہر تصدیق تھا۔ ترک تڑپے اور ان کی تڑپ دیکھ کر انگریزی غلامی پر قانع ہندوستان کا غریب مسلمان بھی تڑپ اٹھا۔

اگرچہ میں نالائق افسر نہ تھا، تاہم انگریزی ملازمت کی ایک ساعت بھی اب میرے لیے ناقابل برداشت تھی، چنانچہ میں نے استعفا دیا تو بوجھ ہلکا ہوا۔ میں ان دنوں لدھیانہ تھانہ صدر میں تعینات تھا۔ اُسی جگہ میرا کامیاب لیکچر ہوا۔ جب میں ہاتھ لٹکاتا گھر پہنچا، تو گاؤں کے لوگوں نے میری اس حرکت پر تعجب کیا۔ کچھ لوگوں نے میرے اچانک استعفیٰ کو میری بے وقوفی پر محمول کیا۔ انہیں اس آگ کا علم نہ تھا جو ایک مدت سے میرے سینے میں سلگ رہی تھی۔ میں اُن کی سرگوشیوں سے بے پرواہ تھا۔ گاؤں کے لوگ مجھ سے ڈرنے لگے تھے کہ مبادا وہ بھی کہیں میرے ساتھ ہی سرکار کے غصے کا شکار نہ ہو جائیں! میں نے بدکے ہوئے جانور کی طرح انہیں آہستہ آہستہ رام کرنا شروع کیا۔

اس اثناء میں مجھے ہوشیار پور سے لیکچر کی دعوت موصول ہوئی۔ میں وہاں چلا گیا۔ ایک بیرسٹر کی صدارت میں تقریر کی چھتوں اور مکانوں پر بھی آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ایک شکستہ مکان کی چند اینٹیں نیچے گر گئیں جن سے ایک آدمی زخمی ہو گیا۔ اس نے واویلا مچا دیا۔ لوگ حادثۂ جلیانوالہ سے ڈرے بیٹھے تھے، سمجھے کہ گولی چل گئی۔ اب کیا تھا جلسے میں بھگدڑ پڑ گئی۔ صدر صاحب کو بھی یقین ہو گیا کہ فی الواقع انکے گرد و پیش گولیوں کی بارش ہو رہی ہے۔ گرمی کے دن تھے، انہوں نے ململ کا کرتا اتار کر "گولیوں" کے سامنے کر دیا تاکہ سینہ بچا رہے یہ بیرسٹر کی دماغی کیفیت کا حال تھا، تو عوام کا کیا کہنا!

دو آدمیوں نے "گولیوں" سے بچاؤ کے لیے ایک اندھے کنویں میں کود کر بزعم خود جان بچائی۔ ایک اور بیرسٹر ہلکی سے دھوتی پہن کر آئے تھے۔ بھاگ دوڑ میں کسی کا پاؤں دھوتی سے اُلجھ گیا۔ دھوتی وہیں رہ گئی اور آپ عالم سراسیمگی میں برہنہ بھاگے چلے جا رہے تھے کہ کہیں وسط بازار میں برہنگی کا احساس ہوا تو آگے پیچھے ہاتھ رکھ کر گھبرائے ہوئے ہرن کی طرح گھر میں داخل ہوئے۔ سینکڑوں بوٹ، جوتے، پگڑیاں اور دھوتیاں وہیں رہ گئیں۔ ضلعی حکام اور پولیس کو بڑی خوشی ہوئی، لیکن عوام الناس مذامت سے مرے جاتے تھے۔

تحریک ترک موالات جوبن پر تھی۔ آزادی کے دیوانے شمع حریت پر پروانوں کی طرح گر رہے تھے۔ احباب ایک ایک کر کے "دارالامان" میں پہنچ چکے تھے۔ ملک ویران اور جیل خانے رشک جنت بن رہے تھے۔ دو برس کی مسلسل دعوت اسیری اور خواہش پابندی کے باجود میں ابھی آزاد تھا۔ اس لیے دل مغموم و ناشاد تھا۔ اپنی شکستہ پائی پر افسوس اور ہم سفروں کی منزل مقصود تک رسائی پر رشک آتا تھا۔ یکایک در اجابت کھلا اور جس گھڑی کا انتظار تھا وہ آن پہنچی میری گرفتاری قلعہ پھلور کے ایک ہم درس اور ہم جلیس سب انسپکٹر پولیس کے ہاتھوں انجام کو پہنچی، جو ان دنوں تھانہ گڑھ شنکر کا افسر انچارج تھا۔

تھانے میں پہنچ کر میں نے وارنٹ دیکھنا چاہا تا کہ مقدمے کی تاریخ اور مقام سماعت کا پتا چل سکے، مگر میرے دوست سب انسپکٹر نے مجھے وہاں داخل کر دیا جہاں کچھ عرصہ پہلے میں اپنی قوت فیصلہ کو کام میں لا کر خوف زنداں سے ہراساں و لرزاں انسانوں کو بند کر دینے کا خود حکم دیا کرتا تھا۔

حوالات کے لیمپ کی مدھم روشنی سے اس جگہ حسرت سی برس رہی تھی۔ ہوا کے سرد جھونکے تلوار سے زیادہ تیز اور حوالات کے کمبل حیوانوں کی جھول سے بدتر تھے۔ منہ باہر رکھوں، تو ہوا کھائے اندر کروں، تو تعفن سے سر چکرائے وہ رات زلف یار سے زیادہ تاریک و طویل ہو گئی۔ میں اٹھ اٹھ بیٹھا اور بیٹھ بیٹھ کے اٹھا کباب سیخ کی طرح کروٹ پر کروٹ بدلی، لیکن نہ اس کل چین تھا نہ اس کل آرام غرض منتیں مان کر صبح کی۔

آفتاب عالمتاب جب جابروں کی ستم آرائیوں کو بے نقاب کرنے کے لیے نکلا، تو مجھے بھی ہتھکڑی کے زیور سے آراستہ کر کے حوالات سے نکالا گیا۔ احباب نے مجھے ہار پہنائے اور پھول برسائے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس، مع گارد پیدل آگے آگے اور میں تانگے پر جارہا تھا۔ آج عبرت آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی جس طرح کبھی میں ترقی درجات کی امید پر دوسروں کی گرفتاری پر پھولا نہ سماتا تھا، آج خود زنجیر و سلاسل میں بندھا تھا اور میرے دوسرے بھائی میری گرفتاری پر حکومت کی چشم کرم سے امید انعام لگائے بیٹھے تھے۔

ایک غیر معروف مقام پر مجسٹریٹ میری آمد کا منتظر تھا پولیس والے مجسٹریٹ کے ارد گرد پہرہ دے رہے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی مجھے کھانا دیا گیا۔ روٹی گندم کی معلوم ہوتی تھی، مگر سالن طرفہ چیز تھی جس کو دیکھ کر جی باہر آتا تھا تھوڑی دیر بعد مجھے سماعت کے لیے بلایا گیا۔ باوجود حکام کی راز داری کے معلوم نہیں کیسے لوگوں کو معلوم ہوگیا۔ آدھ ہی گھنٹے میں عوام کا میلہ لگ گیا۔ قومی نعرے اس زور سے لگاتے اور شبد، بھجن اس انداز سے گاتے تھے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی---- نہ مجسٹریٹ گواہوں کی سن سکے نہ گواہ مجسٹریٹ کی۔ آخر مجسٹریٹ کو مجھ سے استدعا کرنی پڑی کہ اس شور محشر کو بند کرنے میں کچھ آپ مدد دیں---- میری معروضات کو لوگوں نے توجہ سے سنا اور دور ہٹ کر خاموشی سے بیٹھ گئے۔

میرے برخلاف مقدمات زیر دفعہ ۱۷ (الف و ب) ترمیم ضابطۂ فوجداری کی سماعت شروع ہوئی۔ سرکاری گواہوں میں ایک تو وہ سب انسپکٹر تھا جس نے مجھے گرفتار کیا تھا۔ دوسرے تھانہ شہر ہوشیار پور کے افسر انچارج جن کے ساتھ تھانہ صدر لدھیانہ میں ایک جگہ اکٹھے رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔

اول الذکر سے مؤخر الذکر میری گرفتاری سے زیادہ متاثر تھے۔ انکی شرمائی ہوئی آنکھیں اور افسردہ چہرہ ان کی

دلی کیفیت کا آئینہ دار تھا۔ عدالت کے انصاف کے متعلق شبہہ کیا جا سکتا ہے، مگر مجسٹریٹ کی شرافت میں کلام نہیں ہو سکتا۔ شہادت چند منٹوں میں ختم ہو گئی اور مجھے تحریری بیان داخل کرنے کے لیے دو دن کی مہلت دے کر ہوشیار پور جیل میں روانہ کر دیا گیا۔

جیل میں مجھے ایک کوٹھڑی میں بند کر کے تالا لگا دیا گیا۔ میں اس کوٹھڑی میں ایک قبر دیکھ کر حیران رہ گیا خیال آیا کہ یہ کسی قیدی بزرگ کی خانقاہ ہے اور فیوض روحانی سے بہرہ اندوز ہونے کا ارادۃً موقع دیا گیا ہے۔ قبر پر بڑا رعب و جلال برس رہا تھا تاریکی اور سناٹے نے منظر کو اور بھی موثر بنا ڈالا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس بزرگ کی ابدی خواب گاہ پر ضرور برکتوں کا نزول ہو رہا ہے۔ اگر مجھے اپنے اعتقاد پر اصرار نہ ہوتا، تو ضرور سر بسجود ہو کر سوراج اور بحالی خلافت کے لیے اس بزرگ سے ملتجی ہوتا۔

میں ابھی اصرار و انکار کی کشمکش میں مبتلا تھا کہ ہیڈ وارڈر روشنی اور کمبل لے کر آیا۔ دیکھنے سے پتا چلا کر قبر بلا تعویذ ہے گستاخ وارڈر نے کمبل قبر پر بچھا کر کہا اس پر آرام فرمائیے! وہ یہ کہہ کر چھلاوے کی طرح نکل گیا اور میرے لیے یہ معاملہ حل طلب ہی رہا۔

میری طبیعت پر ابھی ابتدائی اثر باقی تھا اور پاس ادب سے پاس کھڑا تھا کہ اتنے میں لانگری کھانا لے کر آیا۔ اس سے میں نے پوچھا: یہ کس بزرگ کی قبر ہے؟" بولا کہ آپ جیسے کسی مہاپرش کی۔ اس بے ساختہ جواب پر بلا تامل تھپڑ مارنے کو جی چاہا، مگر اصول عدم تشدد آڑے آیا۔ میں مثل آئینہ حیران کھڑا تھا کہ باہر سے کسی نے لانگری کو پکارا: "قیدی سے باتیں نہ کر، باہر آ!" وہ بھیگی بلی کی طرح خاموشی سے باہر نکل گیا۔

مجھ پر قبر کا عقدہ اب بھی نہ کھلا۔ میں دیر تک غرق حیرت رہا۔ اتنے میں مؤذن نے عشاء کی اذان دی۔ میں مولوی عنایت اللہ کی آواز پہچان کر اچھلا۔ خاتمے پر انہیں بلایا۔ ساتھ کی کوٹھڑی میں اچھل کود شروع ہوئی کہ آپ بھی آ گئے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ سردار بھگت سنگھ اور وریام سنگھ ہیں۔ میں نے سب سے پہلے اس قبر کے متعلق سوال کیا، تو پتا چلا کہ یہ مٹی کا چبوترہ قیدی کا پلنگ ہے جو اپنی ظاہری بناوٹ کے سبب قبر معلوم ہوتا ہے اور عام طور پر اسے "کھڈی" پکارتے ہیں۔ مجھے اس معمے کے حل سے بڑی ہنسی آئی۔ شب گزشتہ کی بے خوابی اور کوفت سفر سے چور چور تھا اس کھڈی پر مردے کی طرح لیٹ گیا۔

صبح نے جب پھولوں کے بستر سے اٹھایا، تو میں بھی خواب گراں سے چونکا۔ آواز دی تو ساتھی ندارد۔ معلوم ہوا کہ مولوی عنایت اللہ اور وریام سنگھ دوسری جیل میں منتقل کر دیے گئے، البتہ بھگت سنگھ باقی ہیں۔ میں دو روز تحریر بیان میں مصروف رہا کیونکہ ۱۶ فروری ۱۹۲۲ء کو عدالت میں عدل کی تماشا گری ہوئی تھی۔

تاروں کی چھاؤں میں پولیس مجھے جیل سے لے کر روانہ ہوئی اس غیر معمولی کارروائی سے گمان گزرا کہ شاید اندھیرے ہی اندھیرے میں مجسٹریٹ عدالت کی کرسی کو زینت دے کر اندھیر نگری چوپٹ راجہ کا ثبوت پیش کرے گا۔ بہر حال گیارہ بجے عدالت میں عدل کا ڈراما کھیلا گیا۔ پولیس جا بجا سڑکوں پر پہرہ دے رہی تھی۔ عدالت میں آنے کی کسی کو مجال نہ تھی۔ بدقت تمام چند وکلاء اور دو نامہ نگار اندر آ سکے۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ بیان دیجیے میں نے کہا کہ پولیس کا لیجیے جو رات ہی رات مجھے جیل سے لے آئی اور ترتیب بیان کا موقع نہیں دیا۔

ساغر اقبالی

زبان میری ہے بات اُن کی

O قرآن مجید کا مطالعہ کیا تو تصویر کشی چھوڑ دی ہے۔ (عبدالواحد نادر القلم)

فن جس کا رہا فحش تصاویر پہ مائل
مانی بھی وہ کیا ہے وہ بہزاد ہے تو کیا ہے

O ۲۰۰ افراد سونے کی کان میں زندہ درگور ہو گئے۔ (ایک خبر)

سونے کی قبر بنی مگر کس طریقے سے!

O نواز شریف میں قائدانہ صلاحیتیں نہیں۔ ہر کام بے وقت کرتے ہیں۔ (نصرت بھٹو)

لولی کانی کی، اندھے لنگڑے پر تنقید!

O مولانا شیرانی اور مولانا اورنگ زیب پنجاب کا دورہ کریں گے۔ (ایک خبر)

آجکل دار الفتاویٰ میں جمہوریت ناچ، ہی ہے۔

O جس دن بھی پنجاب میں پنجابیت کا نعرہ لگا۔ اُس دن پاکستان کو نقصان ہو گا۔ (حامد رضا گیلانی)

اور سرائیکی صوبے کے بارے میں کیا خیال ہے؟

O عدالتوں کو اپنی پسند پر اسمبلی بحال کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔ (بے نظیر)

کیا یہ توہینِ عدالت نہیں ہے؟

O صدر نے استعفےٰ لے کر غیر اخلاقی کام کیا۔ اخلاقی طور پر کسی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ دوسرے کا خط کھولے۔
(جسٹس شفیع الرحمن)

کوئی بات نہیں۔ بچپن اور بچپن برابر ہوتے ہیں۔

O سابقہ حکومت نے غنڈہ گردی اور بدمعاشی کو فروغ دیا۔ (وٹو)

اور موجودہ حکمران تو شاہ ولی اللہ کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

O کوثر نیازی ایک خاص مفہوم میں صوفی بھی ہیں۔ (ارشاد احمد حقانی)

کاش آج شورش زندہ ہوتے تو ہمیں کوثر کے "تصوف" سے آگاہ کرتے!

O مجیب نے اعتراف کیا تھا کہ وہ پاکستان توڑنا اور بھٹو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ (بے نظیر)

عوام کا حافظہ اتنا بھی کمزور نہیں ہے بی بی!

O نگران حکومت میں شمولیت۔ اخلاقی جرأت کا مظاہرہ ہے۔

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

O اقتدار میں آنے کے بعد سب سے پہلے غریبوں کے مسائل حل کریں گے۔ (بے نظیر)

زرداروں کے مسائل سے فرصت ملی تو۔۔۔!

O صدر ملک کو انتخابات کے عذاب میں مبتلا کرنے کی بجائے وزیر اعظم کو اعتماد کا ووٹ لینے کے لیے کہہ سکتے تھے۔
(چیف جسٹس)

O عوام تیسری پارٹی ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ انہیں بار بار انتخاب کی مصیبت میں مبتلا کرنا آئین ہے۔ (جسٹس افضل۔۔۔)

O حکمران اور سیاست دان عوام کو اسی الیکشن، جمہوریت اور عذاب میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔

O ہماری بد نصیبی ہے کہ آج ہمیں بھٹو جیسا وزیر اعظم دستیاب نہیں۔ (کوثر نیازی)

بباطن دختر انگور کے عشاق کی صف میں
بظاہر کوثر و تسنیم کہلاتے ہیں مولانا!

O جاگیر دار نے بدلہ لینے کے لیے کاشتکار کے بیٹے پر خونخوار کتا چھوڑ دیا۔ (ایک خبر)

O کتے کو سیر نہ کرانے پر زمیندار نے ملازم کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ (ایک خبر)

ان ظالم جاگیر داروں سفاک زمینداروں اور اُن کے کتوں سے ماؤں کے بیٹے زیادہ قیمتی ہیں۔

O ۱۴ جولائی کو عوام فیصلہ کریں گے کہ وہ لبرل اسلام چاہتے ہیں یا مودودی کا رجعت پسند اسلام۔ (بے نظیر)

- لبرل اسلام = وَن رکسی وَن ووٹ۔ کم بابا کم
- رجعت پسند اسلام = اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کی پابندی

بوجھو تو جانیں!

ایک پہیلی۔۔۔

گربہ میر وسگ **وزیر** وموش را دیوان کنند
ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

O

یہ چاردن کی خدائی تو کوئی بات نہیں
زوال تیرے تعاقب میں ہے زوال سے ڈر

O

سیاسی شعبدہ بازوں کا جمہوری تماشا۔۔۔؟؟؟

خاموش مبلغ

(تحفہ سادات، ملتان)

سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور عبد الغفار خاں کا موازنہ

نواز مسلم لیگ کی جفا کاروں سے یہ وفاداری۔؟

حضرت مولانا مجاہد الحسینی مجلس احرار اسلام قدیم رفقاء میں سے ہیں۔ انہیں حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کی صحبتیں میسر آئی ہیں۔ جانشین امیر شریعت حضرت سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری کے ہم مکتب اور ہم فکر و ہم عصر ہیں۔ احرار کے ترجمان روزنامہ نوائے پاکستان کے ایڈیٹر بھی رہے اور حضرت ابوذر بخاری کے ادبی مجلہ "مستقبل" کی مجلس ادارت میں شامل رہے۔ ان دنوں فیصل آباد سے جریدہ ماہنامہ "صوت الاسلام" کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔

ذیل میں ان کی ایک تازہ ترین تحریر ہدیہ قارین کی جا رہی جو انہوں نے پہلی مرتبہ کمال مہربانی سے ادارہ نقیب ختم نبوت کو ارسال فرمائی ہے تحریر کے بعض پہلو ہمارے لیے محلِ نظر ہیں۔ تاہم حسب ضرورت حاشیہ اور بریکٹ کے ذریعے ہم نے اپنی رائے بھی ظاہر کر دی ہے ہم حضرت مولانا کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس مضمون کی اشاعت کا اعزاز ہمیں بخشا۔ ہم آئندہ بھی ان کی نوازشات کے منتظر رہیں گے (مدیر)

برصغیر میں دو شخصیات بڑی نامور ہو گزری ہیں ان میں ایک امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسری سرحدی گاندھی عبد الغفار خاں تھے۔

ان دونوں حضرات نے انگریز کی غلامی سے نجات دلانے اور تحریک آزادی کے سلسلے میں لائق تحسین خدمات انجام دی ہیں اور دونوں نے فرنگی سامراج کے خلاف کئی کئی برس تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔

بایں ہمہ ۔۔۔۔۔ دونوں کا دائرہ کار مختلف تھا، اوّل الذکر کا مقصد اسلامی اداروں کی تقویت اور ملت اسلامیہ کے مفادات کا تحفظ تھا۔ جبکہ دوسرے کا مقصد اور نصب العین کانگریس کی تقویت اور اس کے مفادات کی نگہداشت تھا، کانگریس نے "سرحدی گاندھی" کا خطاب انہی خدمات کے صلے میں عطا کیا تھا۔

جہاں تک تحریک قیام پاکستان کا تعلق ہے اس سلسلے میں دونوں حضرات کے نظریات مختلف تھے عبد الغفار خاں تو سرے سے پاکستان کے وجود کے ہی سخت مخالف تھے۔ جبکہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری پاکستان کے وجود کے تو حامی تھے لیکن وہ تحریک قیام پاکستان کے علمبرداروں کو مخلص نہیں گردانتے تھے کہ جو لوگ اپنے چار پانچ فٹ قد اور تن من کے جسم پر اسلام کا کوئی اثر قائم کرنے پر آمادہ نہیں وہ ایک وسیع مملکت میں اسلام کسی طرح نافذ کرنے کو تیار ہونگے۔ اس لئے وہ حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی قیادت دینی و اسلامی طبقے کے سپرد کرنے کے داعی تھے، ثانیاً وہ تقسیم ھند کی ھیئت ترکیبی کے بھی حامی نہ تھے۔ وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے نام پر دو الگ الگ خطوں اور علاقوں کا وجود نقصان دہ قرار دیتے تھے جن کے درمیان ہزار میل کا فاصلہ ہے وہ کہا کرتے تھے کہ یہ دور دراز علاقے ایک پاکستان کی حیثیت سے اکٹھے نہ ہو سکیں گے ان میں سے خدانخواستہ کسی ایک پر مصیبت آ پڑی تو دوسرے

علاقے کے لوگ اسکی مدد نہ کر سکیں گے۔ بھارت اس راہ میں رکاوٹ بھی ڈالتا رہے گا اور مداخلت بھی کرتا رہے گا۔
اس لئے علامہ اقبالؒ کے نظریے اور نقشے کے مطابق وہ ایک ہی علاقے پر مشتمل پاکستان قائم کرنے کے موید تھے اور پنجاب کو مشرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز کے خلاف تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ متحدہ پنجاب کا مطالبہ وزنی ہے۔۔۔۔۔ خود مسلم لیگ بھی کشمیر کے ساتھ ساتھ پنجاب کے اضلاع جالندھر، ہوشیار پور، فیروز پور (خصوصاً ان کی تحصیلیں نکودر، دسوہہ مکیریاں، زیرہ وغیرہ) اور ریاست کپور تھلہ کا سارا علاقہ جو تقریباً استر فی صد مسلم اکثریت کی آبادی پر مشتمل تھا پاکستان میں شامل کرنے کا مطالبہ کرتی تھی۔ اس صورت میں دہلی تک کے علاقے سمیت اسلامی دنیا کا ایک متحدہ بلاک معرض وجود میں آ سکتا ہے۔ علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر بھی یہی ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

بہر نوع۔ اللہ کو جو منظور تھا وہی ہوا۔ متحدہ پنجاب تقسیم ہو گیا اور مشرقی و مغربی پاکستان کی صورت میں دو الگ الگ یونٹوں پر مشتمل پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا۔

قیام پاکستان کے بعد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے تغیر پذیر حالات کے پیش نظر ساتھیوں سے مشاورت کے بعد لاہور کے باغ بیرون دہلی دروازہ میں ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مجلس احرار اسلام کی سیاسی حیثیت ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ آپ نے کہا کہ مسلم لیگ جیت گئی ہے۔ ہم شرافت اور جذبہ حب الوطنی کے تحت شکست تسلیم کرتے ہیں۔ سیاسی میدان میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ اس وقت مسلم لیگ قوت حاکمہ ہے۔ اس کے رہنماؤں سے مجلس احرار کا وجود بطور حزب اختلاف تسلیم کرنے کو کہا گیا ہے مگر وہ یہ فرما رہے ہیں کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ ہم حزب اختلاف کا وجود ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔

اندریں حالات مجلس احرار سیاسی جماعت کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک تبلیغی اور رفاہی تنظیم کی حیثیت سے اپنا عمل جاری رکھے گی۔

جو کارکن اور رضاکار سیاسی کام کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں اور جو اپنی زندگی تبلیغ اسلام اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے وقف کر دینا چاہتے ہیں وہ میرے ہمرکاب و ہمقدم ہو جائیں۔ (۱)

---

(۱) ریکارڈ کی درستی کیلئے واضح رہے کہ حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ نے ۱۹۴۸ء میں مجلس احرار اسلام کی سیاسی حیثیت ختم کی تھی، مجلس احرار کو ختم نہیں کیا تھا۔ بلکہ مجلس کے ہی شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کو فعال اور منظم کیا۔ ۱۹۵۳ء کے بعد مجلس پر حکومت نے پابندی عائد کی تو شعبۂ تبلیغ کو "مجلس تحفظِ ختم نبوت" کا نام دیکر تنظیمی سرگرمیوں کو جاری رکھا گیا۔ (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر دیکھیں)

چنانچہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اس کے بعد کبھی کسی سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار نہیں کی۔ آپ دم آخر تک اسلام کے عقاید و نظریات کی تبلیغ اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی خاطر سرگرم عمل رہے۔

اے دوست! ادب کہ درحریم دل ماست
شاہنشہ انبیاء و رسول عربی

قیام پاکستان کے بعد اس کے مرحلہ اولین میں ہی جب بھارت نے پاکستان کی سلامتی کے خلاف فوج کشی کی تو وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے مکا لہرا کر بھارت کو للکارا تھا اس وقت پورے ملک میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہی واحد رہنما تھے جس نے لیاقت علی خاں کو اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلاتے ہوئے خیبر سے لے کر ساحل کراچی تک جگہ جگہ "دفاع پاکستان" کانفرنسیں منعقد کی تھیں اور ملت اسلامیہ میں جہاد کا جوش و ولولہ پیدا کر کے قوم کو متحد اور سیسہ پلائی دیوار کی مانند بنا دیا تھا۔

شاہ صاحب کے دل میں پاکستان کی محبت رچ بس گئی تھی وہ ملک کو مستحکم اور خوشحال دیکھنا چاہتے تھے اور اسکی سلامتی کے لئے ہمہ وقت دعا گو تھے۔

رہائشی الاٹمنٹ کی پیشکش

سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کسی حکومت سے کبھی کچھ نہ لیا تھا۔ وہ بڑے خوددار اور غیر تمند شخص تھے۔ کسی انسان کے سامنے ہاتھ پھیلانا انسانیت کی توہین قرار دیتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے دوست احباب کے حضور اپنی ذاتی ضرورت کا اظہار قطعاً برداشت نہ کرتے تھے۔

میاں افتخارالدین تحریک آزادی کے ممتاز رہنما اور شاہ صاحب کے حلقہ احباب و ارادت میں سے تھے وہ پاکستان کی مرکزی وزارت بحالیات پر فائز ہوئے تو ایک روز شاہ صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لائے، مخدوم سجاد حسین قریشی (سابق گورنر پنجاب) سید علمدار حسین گیلانی، میاں محمد شفیع ناظم بلدیہ ملتان اور دوسرے رہنما ہمراہ تھے۔ شاہ صاحب کچہری روڈ محلہ ٹبی شیر خاں ملتان میں واقع ایک کرائے کے مکان میں رہائش پذیر تھے۔ یہ

حاشیہ سابقہ صفحہ

ستمبر ۱۹۵۸ء میں ایوب خان نے پابندیاں ختم کیں تو حضرت امیر شریعت نے دوبارہ مجلس احرار کے احیاء کا اعلان کیا اور اس سے قبل مجلس کی ہائی کمان کے ایک اجلاس میں سیاسیات سے علیحدگی کے فیصلہ کو کالعدم قرار دیکر دوبارہ سیاسیات میں شرکت کا اعلان کیا جو روزنامہ آزاد میں صفحہ اول پر شائع ہوا۔ حضرت امیر شریعت نے ملتان میں جماعت کی بحالی پر احرار کے جلوس کی قیادت کی، پرچم کشائی کی اور احرار کارکنوں سے زندگی کا آخری خطاب فرمایا۔ حضرت امیر شریعت نے ۱۹۴۸ء میں ماسٹر تاج الدین انصاری کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ "مجلس کا قیام بہر حال ایک شرعی امر ہے" یہ تاثر دروغ گوئی پر مبنی ہے کہ امیر شریعت مجلس احرار کو ختم کر گئے تھے۔ وہ آخر وقت تک مجلس احرار اسلام سے وابستہ رہے البتہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ شعبۂ تبلیغ کو مجلس احرار سے الگ کر کے مجلس تحفظ ختم نبوتؐ کو اپنے تصرف میں لے آئے۔ تو حضرت امیر شریعت ایک دینی فریضہ کے طور پر اس کی سرپرستی بھی فرماتے رہے۔

(مدیر)

مکان تنگ گلی میں واقع تھا دروازے تک پہنچنے کا راستہ کچا تھا اور اینٹوں پر قدم رکھ کر پہنچا جاسکتا تھا۔ کسی لڑکے نے آ کر اطلاع دی کہ ایک کار جھنڈی والی آئی ہے وہ آپ (شاہ صاحب) کا نام لے رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے مجھے فرمایا دیکھو! کوئی وزیر آیا ہو گا۔

میں نے باہر گلی میں دیکھا تو میاں افتخار الدین مقامی عمائدین اور انتظامیہ کے ہمراہ آ رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی علیک سلیک کے بعد متعجب ہو کر شاہ صاحب سے کہا شاہ جی۔۔۔ آپ یہ کہاں آ کر بیٹھ گئے؟

آپ ایک درخواست لکھ دیں میں ابھی آپ کے نام کوئی بڑی کوٹھی یا اچھا وسیع مکان الاٹ کر دیتا ہوں۔

شاہ صاحب نے میاں افتخار الدین کو جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

بابو افتخار۔۔۔۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو میں گنہگار اور خطاکار ہوں میرا رب ستار و غفار ہے۔

میں نے زندگی میں ایک گناہ ہرگز نہیں کیا ہے اس سے میرا دامن پاک ہے۔ اور وہ یہ کہ۔۔۔۔ میں نے کبھی کسی حکمراں کے حضور یہ نہیں لکھا۔

"فدوی کی درخواست یہ ہے"

اگر میں نے یہی گناہ کرنا ہوتا تو پھر "انگریز بہادر" کے حضور درخواست پیش کرتا میری بے شمار وسیع و عریض کوٹھیاں ہوتیں۔ کئی مربعے زمین کا مالک ہوتا نوکر چاکر میرے ارد گرد ہوتے، کئی دربان میری چوکھٹ پر دست بستہ ایستادہ رہتے۔ اور تمہارے سمیت کوئی بدوں اجازت میرے آنگن میں جھانکنے کی جسارت نہ کر سکتا تھا۔

شاہ صاحب کا جواب سن کر میاں افتخار الدین اور ان کے ساتھی سرنگوں رہ گئے۔ برصغیر کا یہ سحر بیاں خطیب اعظم سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔۔ اپنی خطابت کا جادو اگر اپنی ذات کے لئے جگاتا تو واقعی ان سے بڑا کوئی دولت مند اور صاحب جائیداد نہ ہوتا۔ مگر وہ قناعت پسند اور اپنی خاندانی روایات کے امین تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس خانوادے کا خون میری رگ و پے میں گردش کر رہا ہے ان کے گھر سے بھی کئی کئی روز تک دھواں نہ اٹھتا اور چولہا سرد رہتا تھا۔

یہ تو ہمارا سرمایہ افتخار اور خاندانی ورثہ ہے۔ الفقر فخری۔

غرضیکہ نہ تو شاہ صاحب نے کسی بھی حکومت سے کچھ لیا نہ اس کے سامنے دست سوال دراز کیا تھا اور نہ ہی کسی نے آپ کی عظیم دینی و ملی خدمات کے صلے میں کوئی منصب عطا کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

شاہ صاحب نے اہل خانہ کو خصوصیت کے ساتھ وصیت کی تھی کہ میں نے اپنی زندگی انہی غریبوں اور مسکینوں میں گزاری ہے۔ میرے میاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہی دعا فرمایا کرتے تھے اے میرے اللہ! مجھے مسکین کی حیثیت سے زندہ رکھنا۔ مسکین کی ہی وفات دینا اور زمرہ مساکین کے ساتھ ہی میرا حشر کرنا۔

شاہ صاحب نے فرمایا مجھے بھی انہی غریبوں مسکینوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ ان میں کئی مقبول بارگاہ الہیٰ کئی حافظ قرآن، کئی محدث، مفسر اور صلحاء امت مدفون ہیں۔ اللہ کرے میرا حشر بھی انہی کے ساتھ ہو جائے۔

بہر نوع۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو اسی چھوٹے سے کرائے کے مکان میں وفات پا گئے تھے تدفین کا مرحلہ آیا تو کمشنر ملتان بی اے قریشی نے قلعہ قاسم باغ ملتان پر واقع شاہ رکن عالم اور

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے مزارات کے درمیان قبر کی جگہ دینے کی پیشکش کی شاہ صاحب کی رفیقہ حیات حضرت اماں جی مرحومہ نے جواباً فرمایا تھا

جس شخص نے لپنی ساری زندگی میں اپنے لئے ایک انچ زمین نہ لی تھی۔ اسکی قبر کے لئے چند فٹ زمین کے احسان کا بوجھ کیوں اٹھایا جائے؟ چنانچہ شاہ صاحب کی باغ لانگے خاں کے قریب جلال باقری کے قبرستان میں تدفین ہوئی جہاں پر برصغیر کا خطیب اعظم اور تحریک تحفظ ختم نبوت کا عظیم قائد آسودہ خاک ہے۔

اس جلیل القدر عالم دین، خطیب اعظم اور مخلص دینی و ملی رہنما مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا فرزند ارجمند مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری فالج کے حملے سے صاحب فراش ہے مولانا ابوذر بخاری، اپنے والد ماجد کی صفات کے آئینہ دار و عکس جمیل اور "سر لابیہ" کا مصداق ہیں۔ ان کے علم و فعل کا خود شاہ صاحب بھی اعتراف کیا کرتے تھے اور بڑے بڑے علماء آج بھی معترف ہیں۔ آپ حافظ و قاری بھی ہیں۔ مصنف، ادیب اور شاعر بھی، انکی تقریر میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی علمی خطابت کا شکوہ اور انکی تلاوت قرآنی میں ان کے والد گرامی امیر شریعت کی لحن سحر آفرین کی جھلک دکھائی دیتی ہے اس نے بھی نہ تو کبھی کسی حکومت کے سامنے دست سوال دراز کیا اور نہ ہی اسے اسکی علمی و دینی خدمات کے صلے میں کبھی سرکاری امداد سے نوازا گیا ہے وہ بھی اپنے عظیم باپ کے نقش قدم پر عمل پیرا ہیں۔ صابر و شاکر، اور قناعت پسند۔ الفقر فخری کا مثالی پیکر!

اب اس کے مقابل ایک بڑی شخصیت اور اس کے فرزند کا حال اور رخ کردار بھی ملاحظہ فرمائیے۔

خاں عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی، کانگریس کی ہائی کمان میں ان کا شمار تھا۔ وہ قائد اعظم اور پاکستان کے شدید مخالف تھے۔ بایں ہمہ قائد اعظم نے انہیں پاکستان کی پہلی پارلیمنٹ کا ممبر مقرر کیا تھا۔ لیکن انہوں نے پاکستان اور قائد اعظم کی مخالفت کبھی ترک نہ کی تھی۔ آزادی کے بعد بھی بھارتی رہنماؤں کے ساتھ ان کے مراسم گہرے استوار تھے۔ حتیٰ کہ نہرو امن ایوارڈ سے بھی انہیں نوازا گیا تھا اور بھارتی حکمرانوں نے سرحد گاندھی کی خدمات کے صلے میں ایک لاکھ روپے کی تھیلی بھی پیش کی تھی۔ علاوہ ازیں کی گئی نوازشات اللہ جانے یا وہ خود۔

سرحدی گاندھی جناب عبدالغفار خاں نے بھی اپنے اہل خانہ کو وصیت کی تھی کہ پاکستان میں تو میری قبر بھی نہ ہونی چاہیئے بلکہ مجھے افغانستان میں لے جا کر دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ خان عبدالغفار خاں کو ان کی وفات کے بعد افغانستان کے شہر جلال آباد میں دفن کر دیا گیا تھا۔

اسی عبدالغفار خاں کا فرزند گرامی عبدالولی خاں نیشنل عوامی پارٹی کا سربراہ ہے۔ اسلام اور پاکستان کی بابت اس خانوادے کے عزائم و نظریات پوشیدہ نہیں ہیں۔ ولی خاں کے خلاف (بھٹو دور میں) بغاوت کا مقدمہ بھی قائم ہوا تھا۔ دینی جماعتوں اور علماء کرام کے خلاف ہرزہ سرائی اس کا محبوب مشغلہ ہے۔

گزشتہ انتخابات کے بعد اسکی پارٹی نے "لپنی سیاسی بحالی" کے لئے مسلم لیگ کے ساتھ سمجھوتہ کر کے اسے برسر اقتدار لانے میں تعاون کیا تھا۔ اسکی پارٹی کے چند صوبائی افراد ناراض ہو گئے۔ تو وفاقی حکومت کے مسلم لیگی وزراء ان کی منت سماجت کی خاطر ان کی خدمت میں پشاور حاضر ہوئے تھے۔ اور حال ہی میں ولی خاں بیمار ہوئے تو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سابق وزیر اعظم اور پاکستان مسلم لیگ کے مرکزی صدر جناب نواز شریف صاحب اسی

سرحدی گاندھی کے فرزند جناب ولی خاں کی تیمارداری اور بیمار پرسی کیلئے بنفس نفیس پھولوں کا گلدستہ لے کر فوراً پشاور حاضر ہوئے اور نہایت چاپلوسی کے انداز میں سابق وزیر اعظم کی وہاں جو گفتگو ہوئی اخبارات میں اسکی تفاصیل شائع ہو چکی ہیں۔ یہ اس لئے کہ ولی خاں کے پاس مسلم لیگی رہنماؤں کا اقتدار بچانے کیلئے چند ووٹ موجود تھے۔ اور مولانا ابوذر بخاری سیاسیات حاضرہ سے کنارا کش محض ایک متبحر عالم دین، ایک مصنف ایک سحر بیاں خطیب اور ایک بلند پایہ ادیب و شاعر ہیں۔ ان کے پاس کسی کو مادی فوائد پہنچانے یا کسی کا اقتدار بچانے اور واپس دلانے کے وسائل موجود نہیں ہیں۔ وہ نہایت صبر و استقامت کے ساتھ زندگی کے تلخ ایام بیماری کی حالت میں گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جلد شفاء کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔

اس تذکرے سے میرا مقصود کسی حکمران سے تیمارداری کی بھیک مانگنا ہرگز نہیں بلکہ نیرنگی دوراں کی نشاندہی مقصود ہے کہ جو لوگ کل تک اپنے آپ کو پاکستان کے احد مالک و مختار اور حامی و وفادار سمجھتے تھے اور نیشنل عوامی پارٹی کے لیڈروں کو ملک دشمن، غدار، کانگریس کے تنخواہ دار اور زرخرید غلام گردانتے نہ تھکتے تھے آج اسی مسلم لیگ کے وفاداران ازلی۔۔۔ انہی سرحدی گاندھیوں کی کفش برداری میں فرمسوس کرتے، انکی خدمات ملی کے اعتراف میں رطب اللسان اور (مسلم لیگ کے قرار دیئے ہوئے) غداروں کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہیں۔

ببیں از کہ می بریدی وبا کہ پیوستی؟

راقم الحروف ابھی یہ سطور لکھ رہا تھا کہ پاکستان مسلم لیگ کے صدر نواز شریف صاحب پشاور گئے نیشنل عوامی پارٹی کے اشتراک سے جلسہ کیا اور اسمیں ولی خاں اور انکی بیگم صاحبہ کی ملی اور ملکی خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے سرحد میں مسلم لیگ اور اے این پی کے اتحاد سے آئندہ تحریک چلانے کا اعلان کیا ہے۔

بدلتی دیکھیں وفاداریاں جو وقت کے ساتھ
وفا جہاں کیلئے بھی ایک کاروبار رہی!

مسلم لیگ کا "نواز شریف گروپ" سرحدی گاندھی کی اولاد سے تو الفت کی پینگیں بڑھانے پر آمادہ ہے، وہ ایک سیکولر نظریات کی بھارت نواز پارٹی کے ساتھ متحدہ محاذ قائم کرنے پر کمربستہ ہو سکتا ہے مگر کسی دینی جماعت، کسی مذہبی تنظیم اور اسلامی فکر و نظر کی حامل شخصیات و افراد کے ساتھ تعاون کرنا تو درکنار ان کا وجود برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے۔

یہ کیا قیامت ہے باغبانو! کہ جن کی خاطر بہار آئی
وہی شگوفے کھٹک رہے ہیں تمہاری آنکھوں میں خار بن کر!

پروفیسر خالد شبیر احمد

کشمیر، عظمتِ احرار کا امیں

زندہ دلاں وادیٔ کشمیر زندہ باد
اے ترجمانِ غیرتِ شبیر زندہ باد
تیری شجاعتوں کے ترانے فضاؤں میں
عشق و جنوں کی بولتی تصویر زندہ باد
ظلم و ستم کے سامنے سینہ سپر ہے تُو
ہے لب پہ تیرے نعرۂ تکبیر زندہ باد
گونجی ہے دہر میں تیری شعلہ صفت صدا
عظمت کی لکھی خون سے تحریر زندہ باد
روکے گا کون آج یہ یلغار صف شکن
باطل کی رگ پہ دین کی شمشیر زندہ باد
کاوش نے تیری چیرا شب رو سیاہ کو
ہمت تیری ہے صدق کی تنویر زندہ باد
بھارت نے گرچہ ظلم کی حدیں ہی توڑ دیں
حق کی ہے تیرے ہاتھ میں توقیر زندہ باد
کس شان اعتماد سے شہ رگ پہ کفر کی
مارا ہے تو نے کھینچ کے کیا تیر زندہ باد
بڑھتا گیا ہے جانب منزل تو بے خطر
ہیں ساتھ تیرے خالد و شبیر زندہ باد
گرنے کو ہے یہ ظلم کی دیوار بالیقین
ہے ٹوٹنے کو کفر کی زنجیر زندہ باد
لاریب تو ہے عظمت احرار کا امیں
انکے سنہرے خواب کی تعبیر زندہ باد
اک دن بنے یہ خطۂ کشمیر ارض پاک
ہے یہ دعائے خالد شبیر زندہ باد

ڈاکٹر انور سدید

عوامی حقوق کے حصول کی پہلی "تحریک کشمیر"

تاریخی پس منظر

مغلوں کے عہد حکومت میں کشمیر امن اور آشتی کا گہوارا تھا۔ کشمیر کے ایک سابق بھارتی گورنر جگ موہن نے لکھا ہے کہ "کشمیر کے جن شرفا نے شہنشاہ اکبر سے کشمیر کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کی درخواست کی تھی۔ ان کی دور اندیشی کی جتنی داد بھی دی جائے کم ہے۔" امن اور سلامتی کا یہ دور ۱۲۰ برس تک قائم رہا۔ اورنگزیب کی وفات کے بعد مغلوں پر زوال آیا تو کشمیر بھی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو گیا۔ احمد شاہ ابدالی نے اس خطے پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ اس نے یہاں عبداللہ خاں عشق آکوسی کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اس کا مشیر ایک کشمیری کھتری سکھ جیون مل تھا، جو اگرچہ علاقے کے حالات سے عبداللہ خاں کو باخبر رکھتا اور امور سلطنت میں اس کی مدد کرتا تھا، لیکن در حقیقت وہ افغان حکمرانوں سے نجات حاصل کرنے کی سازشوں میں مصروف رہتا تھا۔

سکھ جیون مل کے مشن کو عبدالحسن بانڈے نے تقویت پہنچائی۔ آکوسی کشمیر میں نظم و نسق بحال کرنے کے بعد واپس افغانستان چلا گیا تو کشمیر میں افغان حکومت کی نگرانی کے لئے عبداللہ خان کابلی کو چھوڑ گیا۔ سکھ جیون مل اور عبدالحسن بانڈے نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور عبداللہ خان کابلی کو قتل کرا دیا اور کشمیر پر قبضہ قائم کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ سکھ جیون مل نے اپنے اقتدار کے استحکام کے لئے دہلی میں زوال آمادہ مغل دربار کے ساتھ رابطہ قائم کر لیا۔ لیکن ابدالیوں نے اس سازش کو برداشت نہ کیا۔ اور تین جنگوں کے بعد ایک دفعہ پھر کشمیر پر اپنا کھویا ہوا تسلط واپس لے لیا۔

اس افغانی دور میں لعل خان خٹک، فقیر اللہ خان، اور امیر خان جان شیر نے کشمیر پر بطور گورنر حکومت کی۔ آخرالذکر کی اہمیت یہ ہے کہ جب کابل کا حکمران تیمور شاہ مقامی سازشوں کو فرو کرنے میں مصروف تھا تو امیر جان شیر نے کشمیر پر اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا۔ لیکن تیمور شاہ کے سپہ سالار حاجی کریم داد خان نے اسے شکست دے کر ایک دفعہ پھر افغان حکومت بحال کر دی۔ ۱۷۸۴ء میں کشمیر میں اسد خان افغان گورنر مقرر تھا۔ اس کے ذہن میں خود مختاری کا ہوا سمایا تو اس نے کابل سے بغاوت کر دی اور نادر شاہ ثانی کا لقب اختیار کر کے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اسد خان کا عہد حکومت بھی زیادہ طویل نہیں، اسے مدد خان نے شکست دی۔

کشمیر میں افغان حکومت کا آخری گورنر جبار خان تھا۔ اس کے عہد میں ایک کشمیری پنڈت بیر بل دھر کو مختلف وسائل سے معلوم ہوا کہ پنجاب کا سکھ حکمران راجہ رنجیت سنگھ کشمیر کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ اس نے لاہور دربار کے مخبر کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا اور آخر موقع محل غنیمت سمجھ کر رنجیت سنگھ کو حملے کی دعوت دے دی۔ رنجیت سنگھ عرصے سے کشمیر پر دندان آز تیز کر رہا تھا۔ اس سے قبل ۱۸۱۲ء اور ۱۸۱۴ء میں

اسے پسپائی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن اب اسے کشمیری پنڈتوں کا تعاون حاصل ہو گیا تو اس کے ایک دیرینہ خواب کی تعبیر سامنے نظر آنے لگی۔ سکھوں کی فوج کی قیادت مصر دیوان چند نے کی۔ جبار خان کی فوج نے ۱۵ جولائی ۱۸۱۹ء کو شوپیان کے مقام پر شکست کھائی اور اس کے ساتھ ہی افغانوں کا ۶۷ برس کا عہد حکومت ختم ہو گیا اور کشمیر سکھوں کے زیر نگین آ گیا۔ رنجیت سنگھ اس فتح پر اتنا خوش تھا کہ اس نے امرتسر اور لاہور میں تین دن تک رنگ رلیاں منانے کا حکم دیدیا۔ عمارتوں پر چراغاں کیا گیا اور محفلوں میں شراب کے مٹکے لنڈھائے گئے۔ رنجیت سنگھ کے دل میں کشمیر کے باغات میں آوارہ خرامی کی شدید خواہش تھی لیکن قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ وہ اس جنت نظیر خطے میں ایک دفعہ بھی اپنا قدم نہ رکھ سکا۔ لاہور دربار کی سازشوں نے اسے کشمیر کی طرف جانے کی فرصت ہی نہ دی۔

سکھوں کا عہد حکومت

کشمیر پر سکھوں نے ۱۸۱۹ء سے لے کر ۱۸۴۶ء تک حکومت کی۔ سکھوں کا پہلا گورنر مصر دیوان چند تھا۔ اس کے بعد جو گورنر مقرر ہوئے، ان میں موتی رام، کرپارام، پرنس شیر سنگھ اور کرنل مہان سنگھ کشمیر کے چند قابل ذکر گورنر ہیں۔ لیکن ان سب کے عہد میں کشمیر کو وہ امن و آشتی نصیب نہیں ہوئی جو اسے مغلوں کے عہد حکومت میں حاصل تھی۔ یہ دور حقیقی معنوں میں سکھا شاہی کا دور تھا۔ اور اس میں ہر طرف انتشار ہی انتشار نظر آتا ہے۔ کشمیر میں متعین سکھوں کے فوجی دستے اپنی من مانی سے کشمیری عوام پر ستم رانی کرتے تھے۔ گورنر کشمیر کا حکم تسلیم کرنے کے بجائے وہ اپنے سکھ کمانڈر کے احکام کی تعمیل زیادہ کرتے تھے۔ لاقانونی اور بدعنوانی کا دور دورہ تھا۔ عوام سہمے، سمٹے رہتے، عورتوں کی عصمت لوٹ لی جاتی اور مردوں کو بغیر اجرت کے بیگار کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ ۱۸۳۹ء میں راجہ رنجیت سنگھ کو موت نے آ لیا۔ تو پنجاب کے علاوہ کشمیر میں بھی وسیع پیمانے پر ابتری پھیل گئی۔ اس وقت کشمیر کا گورنر امام الدین تھا لیکن وہ حالات پر قابو نہ پا سکا۔ ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو ڈوگروں اور انگریزوں کے درمیان معاہدہ امرتسر طے پا گیا تو گورنر امام الدین نے عنان اقتدار ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کو سونپ دی۔ اس وقت پنجاب میں سکھوں کو شکست ہو چکی تھی اور صوبے پر انگریزوں کا تسلط مکمل ہو چکا تھا۔ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کے معاہدہ لاہور کے مطابق سکھوں نے دریائے بیاس اور سندھ کا درمیانی علاقہ اور ہزارہ اور کشمیر کے صوبوں کو ساڑھے تین کروڑ روپے تاوان جنگ ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انگریزوں نے کشمیر کو اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کرنے کے بجائے اس خطے کو ۷۵ لاکھ روپے کے عوض گلاب سنگھ ڈوگرہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ معاہدہ امرتسر کا اقتباس حسب ذیل ہے:

"برٹش گورنمنٹ دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے راوی کے مغرب میں واقع سلسلہ کوہ کا علاقہ بشمول چمبہ اور بہ اخراج لاہور دوامی طور پر خود مختارانہ اور آزادانہ حکومت کے لئے مہاراجہ گلاب سنگھ اور اس کے مرد ورثا کو دیتی ہے۔ یہ علاقے ریاست لاہور کا حصہ ہیں اور ان علاقوں پر برٹش گورنمنٹ کو ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کے معاہدہ لاہور کی دفعہ ۴ کے تحت تسلط حاصل ہوا ہے۔"

کشمیر میں ڈوگرہ شاہی کے سو سال

کشمیر پر ڈوگرہ شاہی حکومت قریباً ایک سو برس پر محیط ہے۔ اس عرصے میں یہاں چار ڈوگرہ راجاؤں نے رون لوالی کے وحشیانہ انداز میں حکومت کی۔ گلاب سنگھ نے ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۷ء تک، مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ۱۸۵۷ء سے ۱۸۸۵ء تک، مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ۱۸۸۵ء سے ۱۹۲۵ء تک عنان اقتدار سنبھالی۔ پرتاپ سنگھ لاولد رہا تو اس کا بھتیجا مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کا حکمران بنا۔ اور یہ کشمیر کا آخری ڈوگرہ مہاراجہ تھا۔ اس کا عہد حکومت ۱۹۲۵ء تا ۱۹۵۲ء تک ۲۷ برسوں پر پھیلا ہوا ہے۔ ڈوگرہ راجے منصفانہ، مربیانہ اور عادلانہ حکمرانی کے رموز سے آشنا نہیں تھے۔ انتظامی امور سنبھالنے اور رعایا کو مراعات دینے کا انہیں سلیقہ نہیں تھا۔ انہوں نے رعایا کشی کا انداز اختیار کیا اور ان کے جسم سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ شخصی حکمرانی کا یہ دور کشمیر کی تاریخ کا بد ترین دور ہے۔ ڈوگرہ مہاراجہ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا تھا۔ اور کچلے ہوئے عوام کو سرتابی کی مجال نہیں تھی۔ اس زمانے میں لوگ مغل راج کی برکتوں کو یاد کرتے اور چھپ چھپ کر روتے تھے۔ مطلق العنانی نے عوام کے حقوق کو غصب کرنے کی طرح ڈالی تو انگریزوں نے مہاراجہ کو عضو معطل بنانے اور اس علاقے پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں ہی کشمیر کے انتظامی امور کے لئے ایک کونسل قائم کر دی گئی جو برٹش انڈین گورنمنٹ کے وفاداروں پر مشتمل تھی، چنانچہ جگ موہن نے رائے دی ہے کہ اس عہد کو ڈوگرہ راج کے بجائے ڈوگرہ برٹش عہد شمار کیا جائے تو یہ بالکل درست ہوگا۔

مسلمانوں کی زبوں حالی

کشمیر کے باشندوں پر اس عہد میں عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ روزگار کے وسائل محدود تھے۔ مذہبی آزادی حاصل نہیں تھی۔ اونچی آواز سے اذان دینا ممنوع تھا۔ ہندوؤں کو تمام مراعات حاصل تھیں لیکن ریاست میں مسلمانوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ ان کی ترقی کے تمام ذرائع مسدود تھے، چنانچہ جموں کے علاقے سے متعدد خاندانوں نے سیالکوٹ کا رخ کیا۔ سرینگر کے نواح کے لوگ راولپنڈی میں اور پٹھان کوٹ کے راستے سے آنے والے خاندان امرتسر میں آکر آباد ہو گئے۔ موسم سرما میں جب کشمیر میں برف باری شروع ہو جاتی تو کشمیری باربردار پنجاب کے قریباً تمام شہروں میں روزگار کی تلاش میں نکل آتے۔ کشمیر کے دستکاروں کی مصنوعات بھی پنجاب کے راستے سے ہی پورے برصغیر میں پہنچائی جاتی تھیں، چنانچہ بہت سے دستکار پنجاب میں آکر مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ ریاست میں چونکہ ڈوگرہ راج تھا، اس لئے کشمیری پنڈتوں اور دوسرے ہندوؤں کو برتر قوم کا درجہ حاصل تھا۔ انہیں ہر قسم کی آزادی حاصل تھی۔ مراعات سے نوازا جاتا تھا، ان پر اعتماد کیا جاتا اور ان کے معمولی حقوق کی بھی نگہداشت کی جاتی تھی۔ دوسری طرف اس خطے پر چونکہ مسلمان ایک طویل عرصے تک حکمرانی کر چکے تھے، اس لئے ان کے خلاف نہ صرف عناد کا جذبہ پرورش پا رہا تھا بلکہ انہیں کافر اور ملیچھ سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کو

بدگمانی اور بداعتمادی کی فضا میں زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ مہاراجہ کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ مسلمان اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیں گے۔ اس خطرے کے پیش نظر ان پر ملازمتوں کے دروازے بند اور تعلیم کی مراعات سے بڑی حد تک محروم کر دیا گیا۔ چنانچہ کشمیری مسلمانوں کو ملازمت کی تلاش کیلئے بھی پنجاب ہی کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ غریب عوام پر ٹیکسوں کی بھرمار تھی۔ نادار کسانوں کی ساری کمائی مالیہ اور آبیانہ ادا کرنے میں صرف ہو جاتی تھی۔

تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کے بعد ہندوستانی رعایا پر انگریزوں نے سختی شروع کر دی اور اس کا اثر کشمیری مسلمانوں پر بھی پڑا۔ ان تحریکوں میں حصہ لینے کے جرم میں کشمیری مسلمانوں کو یہ سزا دی گئی کہ ان پر بیرون کشمیر بالخصوص پنجاب میں ملازمتوں کا حصول ناممکن بنا دیا گیا۔ چنانچہ کشمیری مسلمانوں کو اب روزی روزگار کے لئے بھی اندرون ریاست ہی مواقع تلاش کرنے پڑے جس سے محرومی اور بے بسی کے جذبات دو چند ہو گئے۔

مہاراجہ ہری سنگھ تنگ نظر اور ہندو پرست تھا۔ مسلمانوں کو کسی بڑے عہدے پر فائز کرنا اسے کسی صورت میں بھی قبول نہیں تھا۔ انگریز ہندوستان میں رعایا پر سخت گیری کرنے لگے تو مہاراجہ کشمیر نے بھی مسلمانوں کے لئے آہنی رویہ اختیار کر لیا۔ ان کے مذہبی فرائض کی بجا آوری میں مزاحمت شروع کر دی گئی۔ جاں باز میرزا مرحوم نے "حیات امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری" میں لکھا ہے کہ

"جموں میں ریاستی پولیس کا ایک مسلمان سپاہی اپنی بیرک میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا کہ بغیر کسی نزاع کے ایک ہندو سپاہی نے مسلمان سپاہی کے ہاتھ سے قرآن کریم چھین کر زمین پر دے مارا"

اس قسم کے واقعات ریاست میں اکثر ہوتے رہتے تھے۔ ہندو اپنی مذہبی رسوم پوری شان و شوکت کے ساتھ مناتے لیکن مسلمان مساجد میں بلند آواز سے تلاوت بھی کرتے یا اونچی آواز میں اذان بھی دیتے تو دنگا فساد ہو جاتا تھا۔

کشمیریوں کی پنجاب کی طرف نقل مکانی

ریاست کشمیر کے باشندوں کی آمدورفت کا سلسلہ پنجاب میں شروع ہوا تو محرومیوں کا احساس روز بروز جڑ پکڑنے لگا۔ ڈوگرہ راج کے ظلم و ستم کے خلاف مسلمانوں کی مظلومی اور کسمپرسی نے بھی رد عمل ظاہر کرنا شروع کر دیا اور کشمیر کے پسماندہ، نادار اور پامال لوگوں کے دلوں میں بھی ظلم کے خلاف آواز اٹھانے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کا جذبہ بیدار ہونے لگا۔ چنانچہ بیسویں صدی کے ربع دوم میں جب جذبات کا جوالا مکھی سلگتے سلگتے لاوافشانی پر آیا تو "کشمیر تحریک" شروع ہو گئی جس کی قیادت متوسط طبقے کے مسلمانوں کی جماعت احرار نے کی۔

چودھری افضل حق نے "میرا افسانہ" میں لکھا ہے:

"ہر چند ہم خود غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ لیکن دنیا کی مظلوم ترین آبادی پر ظلم کی انتہا دیکھ کر جگر خون ہو گیا۔ ہندوستان کا ہر باشندہ سیاسی ذلت اور اقتصادی لوٹ کھسوٹ کے لحاظ سے رحم کا حقدار ہے لیکن کشمیر کے لوگوں کی حالت ہم غلاموں کے رحم کی زیادہ مستحق تھی۔ احرار ابھی جیلوں سے رہا ہو کر آئے تھے۔ کسی اور جھگڑے میں مبتلا ہونا طبیعت پر بوجھ تھا۔ لیکن کشمیر کے دردمندوں کی صداؤں نے اہل دل لوگوں پر نیند حرام کر دی"۔(میرا افسانہ۔ صفحہ ۱۷۶)

تحریک کشمیر ۱۹۳۱ء

عبداللہ ملک نے خیال ظاہر کیا ہے کہ

"مجلس احرار اسلام کے قیام کے بعد سب سے پہلی ہنگامہ خیز تحریک جو مجلس احرار کی قیامت میں چلی اور جس نے پورے شمالی ہندوستان میں تہلکہ مچا دیا، وہ کشمیر کی تحریک تھی۔ یہی وہ پہلی تحریک تھی جس نے ایک طرف کشمیر اور جموں کی ریاست میں بسنے والے مسلمانوں کو بیدار اور متحرک کیا اور دوسری طرف پنجابی مسلمانوں کو گرمایا"۔

(پنجاب کی سیاسی تحریکیں۔ صفحہ ۱۵۳)

مجلس احرار نے اگرچہ تحریک کشمیر کی قیادت ۱۹۳۱ء میں سنبھالی لیکن اس تحریک کا لاوا ۱۹۲۰ء کے بعد پکنا شروع ہو گیا تھا۔ اور اس کی آواز اخبارات سے بھی ابھرنے لگی تھی۔ مولانا عبدالمجید سالک نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھا ہے کہ

"کشمیر میں ڈوگرہ راج کے ظلم و ستم اور مسلمانوں کی مظلومی و کسمپرسی کے خلاف "انقلاب" میں بے شمار مراسلتیں شائع ہوئیں اور بہت سے مضامین لکھے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر کے اندر تمام پڑھے لکھے لوگ "انقلاب" کو پڑھنے لگے اور رفتہ رفتہ عوام میں بیداری پیدا ہونے لگی۔ "انقلاب" میں اس مہم کا آغاز یوں ہوا کہ اس سے "پیشتر ینگ مینز مسلم ایسوی ایشن" جموں کے بعض مخلص کارکنوں نے لاہور کے انگریزی اور ایک اردو روزنامے میں مہاراجہ سر ہری سنگھ کی حکومت کے خلاف مضامین لکھے۔ لیکن چند ہی ہفتوں کے اندر ان اخباروں کے ایڈیٹروں نے چند ٹکوں کی خاطر حکومت کشمیر سے ربط پیدا کر لیا اور مراسلہ نگاروں کے نام ظاہر کر دیئے جن پر مہاراجہ کی حکومت کا عتاب نازل ہو گیا اور کارکنوں میں دہشت پھیل گئی۔"

مولانا عبدالمجید سالک کو جب جموں کے ایک اخبار نویس آ کر ملے اور کشمیری مسلمانوں کے دکھ درد کی داستان سنائی تو وہ ان کی خدمت پر آمادہ ہو گئے اور "انقلاب" نے نامہ نگاروں کے نام صیغہ راز میں رکھنے کا یقین دلا کر اس مہم کا آغاز کر دیا جس کے تحت ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب، صناع مسلمانوں کی مظلومی اور مقروضی، تبدیلی مذہب، ذبح بقر کی پاداش میں ضبطی جائیداد اور دس سال قید کی سزا، عام جبر و تشدد، ناقابل برداشت ٹیکسوں کا بوجھ وغیرہ کے خلاف مدلل مضامین لکھے گئے اور دستاویزی ثبوت پیش کئے گئے۔ "انقلاب" کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہوئی اور مہاراجہ ہری سنگھ نے ۱۹۲۷ء میں مسلمانوں کو سول اور فوجی ملازمتوں میں نسبتاً زیادہ حصہ دینے کا اعلان کیا۔ لیکن یہ محض ایک کاغذی اعلان تھا۔ جس پر عمل درآمد کبھی نہیں ہوا۔ ۱۹۳۰ء میں مذہبی لحاظ سے کشمیر کی آبادی کی تقسیم حسب ذیل ہے:

۱۔ مسلم	۲۴ لاکھ
۲۔ ہندو	۷ لاکھ
۳۔ سکھ	۳۹ ہزار
۴۔ بدھ	۳۹ ہزار

کل آبادی قریباً ۳۲ لاکھ

اب چند سرکاری محکموں میں ملازمتوں کا ہندو مسلم تناسب ملاحظہ کیجئے۔

	غیر مسلم	مسلمان
محکمہ تعلیم		
گزیٹڈ آفیسر	۲۳	۴
انسپکٹر	۱۱	۳
پروفیسر	۲۹	۴
استاد	۱۴۸۳	۷۱۸
محکمہ تعمیرات عامہ	۱۸۳	۵۴
محکمہ خزانہ (کلرک)	۳۶۸	۲۹

(اعداد و شمار بحوالہ "پنجاب کی سیاسی تحریکیں")

مسلم کشی کے واقعات اور اخبارات

راجہ ہری سنگھ کے خلاف اخباری مقالات کا یہ سلسلہ روز بروز طول پکڑنے لگا تو کشمیر میں "انقلاب" کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ لیکن اس بندش نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مزید یہ ہوا کہ اسی دور میں چند ایسے واقعات ظہور میں آئے جن سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات شدت سے مجروح ہوئے۔ "انقلاب" نے ان کی رپورٹنگ بڑی جرات مندی سے کی۔ چند واقعات حسب ذیل ہیں:

۱۔ صوبہ جموں میں تحصیل اودھم پور کا ایک بڑا زمیندار اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گیا تو تحصیل دار نے مال کے کاغذات سے اس کا نام خارج کر دیا۔ ریاستی عدالت نے زمیندار کو شدھ ہو جانے کی ہدایت کی لیکن اس نے اسلام چھوڑنے سے انکار کر دیا تو اس کا مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

۲۔ کشمیر کے ایک گاؤں ڈیگور میں مسلمانوں کو باجماعت نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا۔ اس خبر نے کشمیر کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔

۳۔ جموں جیل کی پولیس لائن میں ایک ہندو سپاہی نے ایک مسلمان کانسٹیبل کے سامنے توہین قرآن کی اور قرآن کے اوراق زمین پر پھینک دیئے۔

۴۔ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر ایک آریہ ڈپٹی انسپکٹر پولیس نے خطیب کو عید کا خطبہ پڑھنے سے روک دیا۔ اس نے خطیب کے اس دعوے کو مسترد کر دیا کہ خطبہ نماز عید کا ضروری جزو اور مذہبی فریضہ ہے۔

ویکفیلڈ تحقیقاتی کمیٹی

قرآن مجید کی توہین کے مسئلہ نے جب احتجاج کی آواز کو بہت بلند کر دیا تو مہاراجہ ہری سنگھ نے مسٹر ویکفیلڈ کو تحقیقات کے لئے جموں بھیجا۔ اس تحقیقات میں مسلمانوں کی طرف سے ایم یعقوب علی اور سید الطاف علی شاہ کو بطور نمائندہ شریک کیا گیا۔ تینوں نے توہین قرآن کو تسلیم کیا۔ تاہم مسٹر ویک فیلڈ نے اسے اتفاقی امر

اور ایم یعقوب علی نے اسے غصے کا نتیجہ قرار دیا۔ تیسرے رکن الطاف علی شاہ کا خیال تھا کہ قرآن ہاتھ سے نہیں چھینا گیا، بلکہ یہ بستر پر پڑا تھا اور اسے بستر سے اٹھا کر زمین پر پھینک دیا گیا۔

ریاستی حکام نے اس تحقیقات کی رپورٹ پر جو فیصلہ دیا، اس کے مطابق مسلمان کانسٹیبل کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا اور توہین قرآن کے مرتکب ہندو کانسٹیبل کو پنشن پر بھیج دیا گیا۔ اس غیر منصفانہ فیصلے پر پورے کشمیر میں غصے اور نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ کشمیر کے ممتاز رہنما چودھری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ کو اس واقعے نے ہی کشمیر کی سیاست میں مسلمانوں کے اولین نمائندوں کے طور پر متعارف کرایا تھا۔ امروہہ کے ایک مسلمان عبدالقدیر نے سرینگر میں ایک ولولہ انگیز تقریر کر کے کشمیری مسلمانوں کو غیرت دلائی۔ اس نے ناموس محمد ﷺ کی حفاظت کیلئے اپنی جانیں قربان کر دینے کی تحریک کی تھی چنانچہ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ عبدالقدیر کا مقدمہ سرینگر جیل میں پیش ہوا۔ جیل کے باہر عوام نے اندر جانے کے لئے زبردست مظاہرہ شروع کر دیا۔ عوام کے اس پرجوش ہجوم کو روکنے کے لئے پولیس نے گولی چلادی۔ چنانچہ ۲۱ مسلمان شہید اور سینکڑوں زخمی ہو گئے۔

مسلمانوں کی شہادت کی خبر سرینگر شہر میں پہنچی تو پورے شہر میں ہڑتال کر دی گئی۔ عوام کا ہجوم شہر کے کوچہ و بازار میں مہاراجہ کشمیر کے خلاف نعرے لگا رہا تھا۔ ایک ہندو دکان بند کرنے اور ہڑتال میں شریک ہونے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کی دکان لوٹ لی گئی۔ اس واقعے نے معاملات کا رخ فرقہ وارانہ فسادات کی طرف کر دیا۔ شہر میں ہنگامہ عام شروع ہو گیا۔ چودھری غلام عباس اور شیخ عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ مولانا چراغ حسن حسرت نے لکھا ہے کہ

"اس پکڑ دھکڑ کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ لوگوں کا جوش گھٹنے کے بجائے بڑھتا گیا۔ کئی دن مسلسل ہڑتال رہی۔ عورتوں اور بچوں کے جلوس نکلے۔ کہیں کہیں ہنگامے بھی ہوئے۔ ایک آدھ جگہ پھر گولی چلی۔ شہر تو خیر شہر تھا، جلوں اور جلوسوں کا سلسلہ دیہات تک جا پہنچا۔"

کشمیر کمیٹی

کشمیری حکام کا خیال تھا کہ شیخ عبداللہ جیسے نوجوانوں کا جوش و خروش عارضی ہے اور اگر انہیں قید سے رہا کر دیا گیا تو معاملات سدھر جائیں گے۔ راجہ ہری سنگھ نے انہیں وعدوں کے ایسے سبز باغ دکھائے کہ نوجوان چکمے میں آ گئے اور سمجھنے لگے کہ انہوں نے میدان مار لیا ہے۔ لیکن اس وقت اشتعال کشمیر کی حدود سے باہر نکل چکا تھا۔ اور نہ صرف درمیانی طبقے کے مسلمان متاثر تھے بلکہ بالائی طبقہ کے لوگ بھی پریشان تھے۔ چنانچہ جولائی ۱۹۳۱ء کے آخری ہفتہ میں سر ذوالفقار علی کی کوٹھی پر شملہ میں مسلمان عمائدین کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل اصحاب نے شرکت کی:

۱۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال

۲۔ خواجہ حسن نظامی

۳۔ امام جماعت (قادیانی) مرزا بشیر الدین محمود
۴۔ نواب سر ذوالفقار علی
۵۔ سید محسن شاہ
۶۔ خان بہادر شیخ رحیم بخش
۷۔ مولانا اسمٰعیل غزنوی
۸۔ عبدالرحیم درد
۹۔ مولانا نورالحق (روزنامہ "آؤٹ لک")
۱۰۔ سید حبیب مدیر "سیاست"

مرزائیوں کے خلاف رد عمل

ریاست کشمیر و جموں کی نمائندگی مولوی عبدالرحیم ایم اے اور اللہ رکھا ساغر نے کی۔ صوبہ سرحد کا نمائندہ صاحبزادہ عبداللطیف تھا۔ اس اجلاس میں ایک کشمیر کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے صدر مرزا بشیرالدین محمود اور سیکرٹری عبدالرحیم درد مقرر ہوئے۔ ان دونوں کا تعلق قادیانی جماعت سے تھا اور اول الذکر تو اس جماعت کے خلیفہ تھے جنکی شرکت مسلمانوں کو قبول نہیں تھی۔ چنانچہ اس کمیٹی میں ابتدا ہی میں خرابی کی صورت پیدا ہو گئی۔ اس خرابی کا نوٹس سب سے پہلے مجلس احرار اسلام نے لیا۔ چودھری افضل حق نے لکھا ہے کہ

"اس کمیٹی نے ریزولیوشن پاس کر کے حکام ریاست کو بھیجا کہ ہم تحقیقات کے لئے آرہے ہیں۔ جواب ملا کہ حدود ریاست میں قدم رکھا تو دھر لئے جاؤ گے۔ بس اچھل کود کر رہ گئے۔ اب ان امرائے اسلام نے کفر کی پناہ ڈھونڈی۔ قادیان کے متنبی کے بیٹے کو اپنا سردار بنا لیا۔ تاکہ حکومت انگریزی مرزائیت کے خود کاشتہ پودے کا سایہ ان پر دراز دیکھے گی تو حمایت پر آمادہ ہو جائے گی۔ یا کم از کم ان کی سرگرمیوں کے متعلق شبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔" (میرا افسانہ۔ ص ۱۷۷)

مجلس احرار نے کشمیر کمیٹی کو انگریزوں کی سازش تصور کیا۔ اس کی وجوہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ قادیانی برسر اقتدار حکومت کی وفاداری کا دم بھرتے تھے اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔

۲۔ ختم نبوت کے مسئلہ پر عامۃ الناس کو قادیانیوں سے شدید اختلافات تھے۔

۳۔ قادیانی جماعت جہاد کے عمل سے عاری اور قربانی کے جذبے سے خالی تھی۔ اس کے سامنے صرف اپنی جماعت کے مقاصد تھے۔

۴۔ کشمیر کمیٹی کی صدارت سے قادنیوں کو کشمیر میں اپنے فرقے کی تبلیغ کے مواقع حاصل ہو سکتے تھے۔

۵۔ قادیانی جماعت کا خلیفہ اس نامزدگی سے ہندوستان کے عام مسلمانوں کو بھی متاثر کر سکتا تھا۔ جس سے ان کے تبلیغی عمل کو تقویت مل سکتی تھی اور ارتداد کا سلسلہ طول پکڑ سکتا تھا۔ چودھری افضل حق کے دل میں جو لاوا ابل رہا تھا، اس کا اظہار مندرجہ ذیل اقتباس سے عیاں ہے:

"میں ان دنوں اپنے گاؤں گڑھ شنکر میں بیٹھا ان واقعات اور حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس پیدا شدہ صورت حال سے گھبرا گیا اور لاہور پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ مولانا داؤد غزنوی ٹانگے پر سوار پریشان سے جارہے ہیں۔ پوچھا۔۔۔۔ "کدھر کا عزم ہے؟"

کہا کہ "مرزائی قیادت مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوگی، میں شہر کے علما سے مل کر ان کی قیادت کے خلاف اعلان کرانا چاہتا ہوں"۔

میں نے کہا "بھائی محض کاغذی بم قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اب تو بڑی قربانی ہی مشکلات کا حل ہے۔ سواری چھوڑ دو تا کہ دفتر میں بیٹھ کر تدبر کے گھوڑے دوڑائیں اور ہمت مردانہ سے قسمت کمند پھینکیں اور تدبیر سے تقدیر کو بدلیں۔"

مجلس احرار کی قیادت

احرار رہنماؤں نے سب سے پہلے علامہ اقبال کو اپنے خدشات سے آگاہ کیا اور تقاضا کیا کہ وہ کشمیر کمیٹی سے علیحدگی کا اعلان کر دیں۔ اگلے دن ڈاکٹر اقبال کی صدارت میں برکت علی محمڈن ہال میں کمیٹی کا جلسہ ہوا تو بعض ارکان کی مخالفت کے باوجود علامہ اقبال نے تحریک کشمیر کی قیادت احرار کے سپرد کر دی۔ جماعت احرار کے سرفروش ہر ممکن قربانی کے لئے تیار تھے۔ تحریک کی قیادت کے لئے مولانا مظہر علی اظہر کو نامزد کیا گیا۔ چودھری افضل حق، مولانا مظہر علی اظہر اور خواجہ غلام محمد پر مشتمل ایک وفد ترتیب دیا گیا۔ اس وفد کو یہ فریضہ سونپا گیا کہ وہ کشمیر جا کر حکام کے ساتھ بات چیت کرے تا کہ حالات میں سدھار کی صورت پیدا ہو۔ لیکن ڈوگرہ حکمرانوں نے اس وقت کشمیر میں آمدورفت پر پابندی عائد کر رکھی تھی، خبروں پر سنسر لگا ہوا تھا اور پورا خطہ افواہوں کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا۔ کشمیری حکام نے احرار رہنماؤں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ انہیں ایسی سزا دینے کا فیصلہ کر چکے تھے کہ پھر برسوں تک بیرون کشمیر سے ہری سنگھ ڈوگرہ کے خلاف کوئی شخص آواز اٹھانے کی کوشش نہ کرے اور کشمیری عوام اس کے ڈوگرہ حکام کے ظلم و ستم کو بے چون و چرا برداشت کرتے رہیں۔

چودھری افضل حق "تاریخ احرار" میں رقم طراز ہیں کہ

"اس عرصہ میں کشمیر میں گولی چلائی گئی۔ ایک بے گناہ شہید اور کئی مجروح ہوگئے۔ ایسا معلوم ہوا کہ سارے خطے کو آگ لگ گئی ہے اور پوری ریاست اس کی لپیٹ میں آگئی ہے۔ ریاستی مظالم سے تنگ آئی ہوئی اور بھوکوں ماری ہوئی مخلوق کی شمع زندگی بجھنے سے پہلے ایک آخری تڑپ دکھانے پر آمادہ تھی۔۔۔۔ قرار پایا کہ مولانا مظہر علی اظہر فوراً ریاست کو تحقیقاتی وفد کے لئے لکھ دیں، اجازت نہ بھی ملے تو وفد کے ارکان اپنے مذہبی رجحانات کے مطابق "علی" علی کہہ کر جائیں"۔

مجلس احرار کے مکتوب پر کشمیر سرکار نے انگریزی حکومت سے سلسلہ جنبانی شروع کر دیا۔ مقصد معاملے کو طول دینا تھا اور جب احرار کو تادیر کوئی جواب نہ ملا تو لاہور کے مقامی افسروں کی معرفت ریاست تک یہ خبر پہنچا دی گئی کہ اگر اجازت نہ دی گئی تو احرار بن بلائے مہمان کی طرح آ ٹپکیں گے۔ جواب میں کہلوایا گیا کہ "اس صورت میں اگر احرار پر جیل کے دروازے کھول دیئے گئے تو وہ کیا کریں گے؟" ۔۔۔۔۔ مجلس احرار نے کہا "ہم بھی

آفت جان بن جائیں گے"۔۔۔۔۔۔

تحریک کشمیر کا عملی آغاز

ہر چند کہ تاخیری حربے ریاستی سطح پر استعمال ہو رہے تھے لیکن اس عرصے میں احرار خاموش نہیں بیٹھے۔ تحریک کے آغاز ہی میں پنجاب کے مختلف مقامات پر "یوم کشمیر" منانے اور عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور کشمیری عوام پر ہونے والے ظلم و ستم کی آواز لوگوں تک پہنچانے کی کوشش شروع کر دی گئی۔ جب تاخیر کا سلسلہ ختم نہ ہوا تو مجلس احرار کی مجلس عملہ نے فیصلہ کیا کہ مزید انتظار نہ کیا جائے اور احرار کا وفد اپنی بے سروسامانی کو خاطر میں لائے بغیر سرینگر روانہ ہو جائے۔ لاہور کی ایک شخصیت چودھری اللہ بخش گنائی نے وفد کو زادراہ کے طور پر ساڑھے تین صد روپے فراہم کئے۔ جس کا بندوبست انہوں نے اپنی بیوی کے زیورات بیچ کر کیا تھا۔ رات کو ایک جلسہ گوجرانوالہ میں ہوا۔ اس جلسے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ولولہ انگیز تقریر کر کے لوگوں کے جذبات میں آگ لگا دی۔ گوجرانوالہ کے در و دیوار "تحریک کشمیر زندہ باد"۔ "مجلس احرار زندہ باد" کے نعروں سے گونج اٹھے۔ گھر گھر کشمیریوں پر اٹھائے گئے مظالم کی داستانیں بیان ہونے لگیں۔

سیالکوٹ کو چودھری افضل حق نے احرار کا مدینہ قرار دیا۔ وفد یہاں پہنچا تو اسٹیشن پر لوگوں کا اژدہام تھا۔ جموں کا گورنر حالات کا جائزہ لینے کے لئے سیالکوٹ میں پہنچا ہوا تھا۔ اس نے عوام کا ولولہ، جوش اور سیمابی اضطراب دیکھا تو ششدر رہ گیا۔ اس نے وزیر اعظم کشمیر کو تار دیا کہ "احرار وفد کو کشمیر میں داخلے سے روکنا خطرے سے خالی نہیں۔ یہ ریاست کے لئے فوری پریشانی کا باعث ہو گا۔"۔۔۔۔۔ اس طرح گورنر نے وفد کے داخلے کی اجازت حاصل کر لی۔

احرار وفد کی ناکامی

وفد سرینگر پہنچا تو ریاستی حکام نے اس کے ارکان کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کی۔ وزیر اعظم کشمیر سر ہری کشن کول کا پرسنل سیکرٹری چودھری افضل حق کی مزاج پرسی کیلئے ان کے ہاؤس بوٹ میں آیا۔ اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ ڈوگرہ شاہی انگریزی فوج کی مدد کے بغیر اور ریاستی پولیس کی قوت سے حالات پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف چودھری افضل حق نے دلائل سے یہ حقیقت باور کرائی کہ تحریک کشمیر عوام الناس کے گہرے اقتصادی اور سیاسی زخموں کے مندمل نہ ہونے والے گھاؤ کا نتیجہ ہے اور اس تحریک سے حالات بے قابو تو ہو سکتے ہیں، ان کو گرفت میں لانا ممکن نہیں۔

اگلے دن پرسنل سیکرٹری نے وزیر اعظم کشمیر کا پیغام پہنچایا کہ چودھری صاحب کشمیر کی سیاسیات کے بارے میں اپنی گزشتہ روز کی رائے قلم بند کر دیں۔ لیکن اس تحریری رائے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ احرار وفد کے لیڈر مولانا مظہر علی اظہر مہاراجہ کشمیر سے بھی ملے لیکن حالات نے مثبت رخ اختیار نہ کیا۔ اسی دوران میں شیخ عبداللہ کو جو اب کشمیری لیڈر بن چکے تھے۔ گرفتار کر لیا گیا۔ احرار وفد پر پابندیاں سخت کر دی گئیں۔ چودھری افضل حق وزیر

اعظم کشمیر سر ہری کشن کول سے اس زمانے سے واقف تھے جب وہ جالندھر میں کمشنر تھا۔ لیکن سیاست میں تعلقات اور شناسائی کی اہمیت لحہ بہ لحہ حالات کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ وزیر اعظم کشمیر نے چودھری افضل حق کی بات سنی لیکن ان کا کوئی مطالبہ قابل قبول نہ سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احرار کا وفد کشمیر سے ناکام ہو کر واپس آ گیا۔۔۔۔۔۔ اس ناکامی کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اب تحریک کا دائرہ وسیع کر دیا گیا اور اسے عوام میں پھیلا دیا گیا۔ چودھری افضل حق نے لکھا ہے کہ

(سرینگر سے) "واپس آ کر پرامن جنگ کو ہم نے ضروری سمجھ لیا تھا۔ دلائل بغیر قوت کے بیکار ہیں، کمزور کی دلیل بے دھار کا کھانڈا ہے، نہ اپنے ہاتھ کی زینت، نہ دوسرے کے گلے کی کاٹ۔ ہم نے قوت کی فراہمی پر زیادہ زور دیا۔ اب ریاست کو پہلے سے قوی تر خطرہ ہو گیا۔ شیخ محمد عبداللہ کو رہا کر دیا گیا۔ گورنمنٹ آف انڈیا اور ریاستی حکومت نے ہمارے ساتھ معاملہ کرنے کی لائن تیار کر لی۔ ہمیں کشمیر دوبارہ آنے کی دعوت دی گئی۔ ہم پھر وہاں گئے۔ ہم ریاست میں ذمہ دار حکومت کے طالب تھے۔ شیخ عبداللہ کے ذہن میں یہ ڈالا گیا تھا کہ اول تو احرار انگریزی حکومت کی مخالف جماعت ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا میں ان کا اثر معکوس ہے۔ دوسرے ان کا مطالبہ انقلابی نوعیت رکھتا ہے۔ مناسب ہے کہ تم ریاستی لیڈر کی حیثیت میں اقل ترین مطالبہ کرو اور احرار سے بے نیاز ہو جاؤ۔ بدنصیبی سے احرار کے خلاف یہ ہتھیار بڑا موثر ثابت ہوا۔ شیخ محمد عبداللہ کو ہم اپنا ہم خیال نہ بنا سکے۔ ہمارے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ہم بھی ریاست میں سے ذمہ دار حکومت کا کوئی طالب بنائیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا اور ہم دونوں یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم آئندہ بیس برس کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اور لڑائی اس بات کی ہے کہ "عوام کو کس قدر اختیارات دیئے جائیں۔"

("تاریخ احرار" - مولفہ: چودھری افضل حق)

سول نافرمانی

انگریزی حکومت کی ہمدردی سو فیصد ریاستی حکومت کے ساتھ تھی۔ وہ احرار کو انگریز دشمن جماعت تصور کرتے تھے جس کا اثر و رسوخ عوام میں زیادہ تھا۔ اس لئے اس جماعت کی سرکوبی ضروری تھی۔ اس کے ہر اقدام کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ وزیر اعظم اور مہاراجہ کشمیر کے ساتھ بات چیت ناکام ہو گئی تو احرار وفد ریاست چھوڑ کر واپس آ گیا اور سیالکوٹ پہنچتے ہی سول نافرمانی کا فیصلہ کر لیا گیا۔ والنٹیروں کو ریاستی حدود میں داخل ہونے کا حکم دے دیا گیا۔ مولانا مظہر علی اظہر اکیس نوجوان رضاکاروں کا پہلا دستہ لے کر خود آگے بڑھے اور ریاست کی سرحد پر گرفتار کر لئے گئے۔ ان کی گرفتاری در حقیقت آگے قدم بڑھانے کا اعلامیہ تھا۔ رضاکاروں کا شوق شہادت ابل پڑا اور اب پنجاب کے ہر ضلع سے نوجوان لپک پڑے۔ انگریزی حکومت کا اندازہ تھا کہ احرار رضاکاروں کی تعداد ۵ ہزار سے تجاوز نہ کرے گی۔ لیکن تحریک کے ابتدائی پانچ دنوں میں دس ہزار مسلمان رضاکار کشمیر کی سرحد پار کر کے گرفتاری پیش کر چکے تھے۔ (سرگودھا سے جو جیش کشمیر روانہ ہوا، اس میں راقم کے چچا مولوی کرم دین (مرحوم) بھی شامل تھے۔ انہوں نے اس تحریک میں چھ ماہ کی قید کاٹی) سول نافرمانی کا طریق یہ تھا کہ ۲۱ نوجوانوں پر مشتمل جتھے رات کی تاریکی میں سیالکوٹ سے روانہ ہوتے اور دشوار گزار پہاڑی راستوں سے ہو کر صبحدم جموں میں داخل ہو

جاتے۔ شہر کے درودیوار تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھتے۔ ہندو عوام تھرا جاتے۔ یوں لگتا جیسے محمود کی فوج نے پھر سومنات پر حملہ کر دیا ہے۔ ریاست کے ہندوؤں کو جان کے لالے پڑ گئے۔ ہر طرف ہاہا کار مچی ہوئی تھی کہ یہ مسلمان ملیچھ کہاں سے آ پہنچے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے لئے جیل جنت میں داخل ہونے کا راستہ بن گئی تھی۔ سیالکوٹ کے محاذ کے بعد ایک اور محاذ جہلم کے راستے میر پور کے مقام پر کھل گیا۔ بہت سے سر فروش راولپنڈی کے راستے کوہالہ پل کو عبور کر کے کشمیر میں داخل ہونے لگے۔ پل پر فوج بٹھا دی گئی تو نوجوانوں نے جہلم کی لہروں کو تیر کر عبور کرنا شروع کر دیا۔ کئی نوجوان لہروں کی نذر ہو گئے۔ حالات ریاستی حکومت کے قابو سے باہر ہو گئے تو مہاراجہ ہری سنگھ نے کشمیر کو وائسرائے کے حوالے کر دیا۔

مہاراجہ کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ وائسرائے نے مزاحمت کو ہوا دینے کے بجائے مفاہمت کمترین کی راہ اختیار کی اور سرکاری گزٹ میں احرار کی قوت کا اعلانیہ اعتراف کر لیا۔ سرکار پرست مسلمانوں نے احرار سے مطالبہ شروع کر دیا کہ ابھی ٹیشن ختم کر دی جائے۔ وائسرائے کے اعلان کا اثر کمزور طبیعت کے لوگوں نے بھی خاطر خواہ لیا لیکن احرار تو سر دھڑ کی بازی لگا چکے تھے۔ چنانچہ اب گجرات اور گورداسپور کی سرحدوں سے رضا کاروں نے نئی یلغار شروع کر دی۔ جاں فروشی اور ایثار کی ایک مثال چودھری افضل حق نے "تاریخ احرار" میں یوں پیش کی ہے:

"لکھنؤ کے مشہور احرار میاں منے خان گورداسپور کے قافلہ سالار تھے۔ علاقہ ہندوؤں کا تھا۔ وہاں ہندو آبادی نے ان کو گھیر لیا اور ڈوگروں نے سب کو جوتوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔ جب والنٹیر بے ہوش ہو گئے تو ان کو انگریزی علاقے میں پھینک کر چلے گئے۔ منے خان پھر اٹھ کر ریاست میں داخل ہوئے۔ ساتھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس دفعہ زیادہ زخم آئے۔ چنانچہ مرکزی دفتر نے اس سمت کی یلغار روک دی۔ دوسرے محاذوں پر گرفتاریاں دن دگنی رات چوگنی ہوتی گئیں۔"

ایک اندازے کے مطابق تین ماہ کے عرصے میں ۴۵ ہزار مسلمانوں نے گرفتاری پیش کی۔ ریاست کی جیلوں میں جگہ نہ رہی تو قیدیوں کو پنجاب کی جیلوں میں بھرنا شروع کر دیا گیا اور وہاں بھی گنجائش نہ رہی تو پولیس قیدیوں کو پکڑتی اور دفتر احرار میں چھوڑ جاتی کہ صبح کے وقت لے جائیں گے۔

انگریزی حکومت گفت و شنید پر آمادہ ہو گئی

اس طویل جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگیریزی حکومت پنجاب گورنمنٹ کے ذریعے مجلس احرار کے ساتھ بات چیت پر آمادہ ہو گئی۔ مصالحت کی کچھ کوشش جمعیت العلما کے ایک وفد کے ذریعے بھی ہوئی جس میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید شامل تھے لیکن بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ احرار کشمیر میں پنجاب جیسے آئین کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے تھے جسے حکومت انگلشیہ اور ڈوگرہ شاہی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ جب سمجھوتہ عمل میں نہ آسکا تو مہاراجہ کشمیر نے گلینسی کمیشن مقرر کر دیا تاکہ آئینی اصلاحات عمل میں لائی جا سکیں اور تحریک کا زور ٹوٹ جائے۔ لیکن مجلس احرار نے گلینسی کمیشن سے بھی عدم تعاون کا فیصلہ کیا۔ انہیں یقین تھا کہ کمیشن ان کے مطالبات کو تسلیم کرنے کے بجائے بات چیت کو طول دے گا، اپنے مطالبات منوانے اور احرار کو الجھانے کی کوشش کرے گا۔ گلینسی

کمیشن نے حکومت ہند اور مجلس احرار کے نظریات کے درمیان کا راستہ اختیار کیا لیکن احرار نے کشمیریوں کے ساتھ پنجاب جیسے حقوق حاصل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا، وہ اس پر قائم رہے اور اپنے فیصلے سے کم پر آمادہ نہ ہوئے۔

کشمیر تحریک کا انجام

تحریک کشمیر ولولہ انگیز صورت میں چل رہی تھی کہ رمضان کا مہینہ آگیا۔ اچانک مسلمانوں کا سارا جوش و جذبہ کمزور پڑ گیا۔ عبادت کے مقابلے میں قومی جدوجہد کا جذبہ باقی نہ رہا۔ چودھری افضل حق نے لکھا ہے کہ

"ساری اسلامی قوم میدان محاربہ سے ہٹ کر معتکف ہو گئی، کسی زبان پر کشمیر کا نام نہ تھا۔ مسلمان جس جذبہ کو لے کر اٹھے تھے وہ سب بھول گیا۔ حالانکہ قرون اولیٰ میں اکثر ایسے صحابہ گزرے ہیں جو مصروف جہاد رہنے کی وجہ سے اکثر رمضان کے روزے نہ رکھ سکے تھے۔"

تحریک کا جوش و جذبہ ایک دفعہ سرد پڑ گیا تو پھر دوبارہ اسے متحرک کرنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ کشمیر کی یہ باعظمت تحریک بقول افضل حق "رمضان شریف کی نذر ہو گئی"۔۔۔۔

تحریک کے ثمرات

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

:: کیا مسلمان رضاکاروں اور مجلس احرار کی قربانیاں رائیگاں گئیں؟

:: کیا تحریک کشمیر ناکام ہو گئی؟

حالات کا منصفانہ جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء کو گلینسی کمیشن کا قیام اس تحریک ہی کا نتیجہ تھا۔ گلینسی کمیشن نے جن بڑی بڑی اصلاحات کی نفاذ کی سفارش کی وہ بھی اس تحریک ہی کے ثمرات ہیں۔ اس تحریک نے کشمیری عوام میں بیداری کی لہر پیدا کی۔ "پنجاب کی سیاسی تحریکیں" کے مصنف عبداللہ ملک کا یہ تجزیہ درست ہے کہ:

"برصغیر کی ریاستوں میں جو عوامی تحریکیں منظم ہوئیں، ان میں اگر سب سے زیادہ جاندار عوامی تحریک کہیں منظم ہوئی تو وہ یہی کشمیر کی ریاست تھی اور آج بھی کشمیر کے اندر جو جہاد ہو رہا ہے۔ اس کے ڈانڈے ۱۹۲۷ء میں شروع ہونے والی حقوق طلبی کی تحریک ہی سے جا ملتے ہیں۔"

تحریک کشمیر نے درمیانے طبقے کے نوجوانوں کو سیاسی شعور عطا کیا۔ ان میں ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا کیا۔ اس تحریک سے چودھری غلام عباس، میرواعظ احمد اللہ ہمدانی، میر واعظ یوسف شاہ، شیخ محمد عبداللہ، سردار گوہر رحمٰن جیسے رہنما سامنے آئے اور مسلم کانفرنس اور بعد میں نیشنل کانفرنس کے قیام کے لئے راہ ہموار ہوئی۔

گلینسی کمیشن نے ۲۲ مارچ ۱۹۳۲ء کو اپنی رپورٹ مہاراجہ کشمیر کو پیش کی۔ اس پر ۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء کو احکامات جاری کئے گئے۔ مہاراجہ نے کمیشن کی سفارشات کو منظور کرتے ہوئے ان پر حتی الامکان جلد سے جلد عمل کرنے کی ہدایت کی۔ ان سفارشات پر احکامات کا اجمال حسب ذیل ہے:

۱۔ مذہبی توہین ممنوع قرار دی گئی۔ تبدیلی مذہب پر خوفزدہ کرنے اور اذان سے روکنے والوں کو قابل مواخذہ شمار کیا گیا۔

۲۔ عبادت گاہیں بنانے کی اجازت دی گئی۔ مقدس مقامات جو پہلے ریاست کی تحویل میں تھے، مسلمانوں کو واپس کر دیئے گئے۔ مختلف زیارات کا نظم و نسق مسلمانوں کو سونپ دیا گیا۔

۳۔ تعلیمی کمیشن کی سفارشات کے مطابق ابتدائی تعلیم کی توسیع اور عربی کے معلموں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ صنعتی تعلیم کے اجراء کے متعلق احکامات دیئے گئے۔ حکم دیا گیا کہ سائنس کی تعلیم میں فرقہ وارانہ جانبداری سے کام نہ لیا جائے۔ مسلمان اساتذہ اور انسپکٹروں کی تعیناتی کرنے کی اجازت دی گئی۔

۴۔ ملازمتوں کے لئے مختلف اقوام کی آبادی کے تناسب کو ملحوظ رکھنے کے احکام جاری کئے گئے۔

۵۔ مالیہ اراضی کی مالکانہ وصولی بند کر دی گئی۔ کواپریٹو قرضوں کے نظام کو وسعت دی گئی۔ ذبح کیئے جانے والے جانوروں کو حدود شہر میں لانے پر جو محصول عائد تھا، وہ ختم کر دیا گیا۔ اخروٹ کی لکڑی کاٹنے پر جو پابندی تھی، وہ ہٹا دی گئی۔

۶۔ پریس ایکٹ کو برطانوی ہند کے مطابع کے قوانین کے مطابق کرنے کا حکم دیا گیا۔

کشمیری عوام کے حقوق کے حصول کے لئے "تحریک کشمیر" کو خارجی طور پر ڈوگرہ شاہی اور انگریزی حکومت کا سامنا تھا تو داخلی طور پر انگریزوں کے وفادار مسلمانوں کا سرکار پرست اعلیٰ طبقہ بھی اس کے حق میں کچھ زیادہ سرگرم نہیں تھا۔ اس تحریک کے خلاف ایک محاذ قادیانی فرقے نے بھی کھول رکھا تھا جسے احرار رہنماؤں نے تحریک کے ابتدائی دنوں میں پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس فرقے کے لوگوں نے کشمیر تحریک کے پردے میں کشمیر میں اچھے خاصے پاؤں جما لیئے تھے۔ لیکن احرار نے یہ اثرات پورے جوش و جذبے سے کم کرنے کی کوشش کی۔

ان نامساعد حالات کو پیش نظر رکھیں تو تحریک کشمیر کے ثمرات اگرچہ زیادہ تر بالواسطہ ہیں۔ لیکن یہ بے حد اہم اور گراں قدر نظر آتے ہیں۔

کتابیات

۱۔ پنجاب کی سیاسی تحریکیں از عبداللہ ملک

۲۔ سیر ا افسانہ از چودھری افضل حق

۳۔ تاریخ احرار از چودھری افضل حق

۴۔ حیات امیر شریعت از جاں باز میرزا

۵۔ مائی فروزن ٹربولینس۔

(MY FRO ENTURBULANCE) از جگ موہن

ادارہ

مسافرینِ آخرت

O مجلس احرار اسلام چکڑالہ ضلع میانوالی کے مخلص کارکن جناب ڈاکٹر طاہر محمود اعوان صاحب کے والدِ گرامی محترم گل جہان انتقال کر گئے۔ موصوف چکڑالہ کے بزرگ احرار کارکن تھے اور تادم واپسیں احرار سے وابستہ رہے۔

O حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کے ارادت مند اور مجلس احرار اسلام کے قدیم معاون محترم محمد حنیف صاحب ٹریفک کے ایک حادثہ کے باعث وفات پا گئے۔ آپ کا تعلق بستی فقرشاہ تحصیل میلسی سے تھا اور ان دنوں بوسن روڈ ملتان ہیں ایک بستی میں قیام پذیر تھے۔ نہایت مخلص، ہمدرد اور محبت رکھنے والے بزرگ تھے۔

O نقیب ختم نبوت کے سرکولیشن مینجر محمد یوسف شاد کی نانی صاحبہ ام ظفر ۱۰ مئی کو رحلت فرما گئیں۔

O ننکانہ صاحب سے ہمارے مہربان اور کرم فرما محترم خالد متین صاحب کی والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں۔

O میانوالی کے مشہور عالم دین اور مجلس احرارِ اسلام کے سابق کارکن مولانا محمد رمضان وفات پا گئے۔

O تحفظ ختم نبوت کے مبلغ جناب زرین خان صاحب (کچاکھو) رحلت فرما گئے۔

O محترم شیخ عبدالغنی صاحب (چیچہ وطنی) کے سمدھی اور شیخ عبدالواحد صاحب (گلاسگو برطانیہ) کے سسر، شیخ مشتاق صاحب گزشتہ دنوں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

O جناب عبدالواحد احرار خازن جمعیت علماء اسلام ملتان کے والد صاحب ۱۶ مئی ۹۳ء کو ملتان میں رحلت فرما گئے ہیں۔

اراکین ادارہ تمام مرحومین کی مغفرت کیلئے دعاء گو ہیں اور لواحقین کے غم میں شریک ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ دعاء مغفرت کا اہتمام فرمائیں۔ (مدیر)

دعاءِ صحت

O مجلس احرارِ اسلام رحیم یار خان کے انتہائی مخلص، وفادار اور ایثار پیشہ کارکن جناب مولوی محمد بلال صاحب علیل ہیں۔

O مجلس احرارِ اسلام سکھر کے نوجوان کارکن محترم ڈاکٹر حادی بخش صاحب کی والدہ ماجدہ علیل ہیں۔

O مجلس احرارِ اسلام مرید کے کے صدر محترم حکیم محمد صدیق تارڑ صاحب کچھ عرصہ سے بیمار ہیں۔

قارئین ہر سہ حضرات کیلئے خصوصاً اور دیگر تمام مریضوں کیلئے عموماً شفاء کی دعا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عطاء فرمائے (آمین)

(ادارہ)

محمد اورنگ زیب اعوان (ہری پور ہزارہ)

آہ مرزا غلام نبی جانباز مرحوم

تحریک آزادی کے کارکن تحریک تحفظ ختم نبوت کے عظیم مجاہد، امیر شریعت کے دیرینہ رفیق اور مجلس احرار اسلام کے انقلابی شاعر مرزا غلام نبی جانباز

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرزا غلام نبی جانباز کی ساری زندگی پیہم جدوجہد سے عبارت تھی۔ مرحوم نے اوائل عمری میں مجلس احرار اسلام میں شمولیت اختیار کی۔ انہوں نے برصغیر پاک وہند کی سیاسیات میں اس وقت حصہ لیا۔ جب برطانوی سامراج کی حکومت کا سورج نصف النہار پر تھا۔ اور سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں۔ جانباز مرحوم نے اپنی زندگی کے قیمتی دس برس جیل کی کال کوٹھڑیوں کی نذر کئے۔ اور قیدوبند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ مرحوم نے مصائب و آلام کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ مرزا صاحب نے ایک کارکن کی حیثیت سے احرار سے وابستگی اختیار کی۔ انہیں یہ شرف حاصل ہے کہ وہ احرار میں شامل ہونے کے بعد پہلی سانس سے لیکر آخری سانس تک احراری رہے۔ ان کی زندگی نے تو ان سے وفا نہ کی لیکن مرحوم نے احرار سے فکری و ذہنی وابستگی کے حوالے سے وفا کی۔ وہ مسٹر ممتاز دولتانہ کے بقول (AHRARY IS ALWAYS AHRARY) "ایک دفعہ کا احراری ہمیشہ کا احراری رہتا ہے" کے مصداق تھے۔

مرزا غلام نبی جانباز نے ایک غریب گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ انہوں نے ابھی بچپن سے لڑکپن کی وادی میں قدم رکھا تھا۔ کہ تحریک آزادی سے وابستہ ہوگئے۔ جلیانوالہ باغ کے واقعہ نے انہیں اس قدر متاثر کیا کہ برطانوی سامراج کی نفرت انکے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی۔ اسی تاریخی واقعہ کے بعد جانباز مرزا نے خود کو گرفتاری کیلئے پیش کیا۔ اس وقت مرحوم کی عمر گیارہ برس تھی۔ مرزا غلام نبی جانباز نے اپنی غربت، عسرت اور تنگدستی کے باوجود تحریک آزادی کے سفر میں قابل قدر کردار ادا کیا۔ انکا بازو توڑ دیا گیا۔ طرح طرح کے ظلم و ستم اور تشدد ان سے روا رکھے گئے۔ مگر جانباز کے پائے ثبات میں ذرا برابر بھی لغزش نہ آئی۔ وہ دارورسن کی آزمائشوں میں سرخرو ہو کر نکلتے رہے کہ۔

دارورسن کی گود کے پالے ہوئے ہیں ہم

دارورسن کی آزمائشوں نے انہیں نیا حوصلہ دیا۔ قیدوبند کے مرحلوں نے توانائی بخشی۔ زندگی کے نشیب و فراز نے جینے کے ڈھنگ سکھائے۔ جانباز مرزا ہر امتحان۔ آزمائش۔ اور ابتلا میں کامیاب و کامران ہو کر نکلے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جانبازی ان کا پیشہ اور سرفروشی ان کا مشغلہ تھا۔

تحریک آزادی کے سفر میں مرزا غلام نبی جانباز کو سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ چودھری افضل حق، شیخ حسام

الدین، آغا شورش کاشمیری جیسی نابغہ روزگار شخصیتوں سے فیض حاصل کرنے کا شرف ملا۔ مجلس احرار اسلام کے بارے میں مشہور ہے۔ کہ یہ شعلہ بار خطیبوں۔ انقلابی شاعروں اور پرجوش کارکنوں کی جماعت تھی۔ تحریر کے محاذ پر اس کمی کو پورا کرنے والے صرف دو نام ہی تاریخ میں نظر آتے ہیں۔ ایک چودھری افضل حق اور دوسرے آغا شورش کاشمیری۔۔۔۔ مرزا غلام نبی جانباز نے محدود وسائل کے باوجود تقریباً دو درجن کتابیں تصنیف کیں۔ جس میں صرف آٹھ جلدیں کاروان احرار سے متعلق ہیں۔ کاروان احرار میں برصغیر پاک و ہند کی پوری تاریخ کو قلم بند کر کے مرزا جانباز نے آنے والی نسلوں پر عظیم احسان کیا ہے۔ مرزا غلام نبی جانباز کی معروف تصانیف میں "حیات امیر شریعت"۔ "تحریک ختم نبوت کا آخری باب"۔ "انگریز کے باغی مسلمان"۔ "صور اسرافیل"۔ "مرزائیت عدالت کے کٹہرے میں"۔ "بڑھتا ہے ذوق جرم"۔ "مقدمات امیر شریعت"۔ شہرت کی حامل ہیں۔ مرزا جانباز لاہور سے ہفت روزہ "تبصرہ" باقاعدگی سے شائع کرتے رہے۔ مرحوم کی قلمی خدمات کو مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ انکی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے۔ وہ مشکل سے پُر ہو گا۔

مرزا غلام نبی جانباز طویل عرصہ سے بیمار تھے۔ اپنی علالت کے باوجود انہوں نے بستر مرگ پر لیٹے لیٹے "پاکستان بننے کے بعد" قلم بند کروائی۔ موت برحق ہے۔ اس کا وقت اور دن معین ہے۔ مرزا جانباز مرحوم کے سمدھی اور دیرینہ رفیق مولانا محمد شریف احرار نے مسلسل تین ماہ اپنے جانی۔ جگری دوست کی خدمت کی۔ مولانا نے ایک ملاقات میں بتایا کہ آخری وقت جانباز مرزا نے قرآن مجید سننے کی فرمائش کی۔ مولانا نے انہیں کلام پاک کی چند آیات سنائیں تو مرحوم نے اصرار کیا کہ مجھے احراری لہجہ میں قرآن سناؤ۔

تلاوت کے بعد جانباز مرزا نے فرمائش کی کہ میری مشہور نظم

"خون احرار سے جلتا ہے محمد ﷺ کا چراغ" سنائی جائے۔ چنانچہ مولانا محمد شریف احرار نے انہیں مرحوم کی یادگار نظم سنائی۔ تھوڑی دیر بعد جانباز مرزا نے کلمہ شہادت کا ورد شروع کر دیا۔ انکی زبان ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئی۔ جہاد آزادی میں لوگوں کو انقلابی نظمیں سنا کر تڑپانے والا خاموش ہو گیا۔

انہوں نے طویل متحرک زندگی گزاری اور طویل علالت کے بعد ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء بروز جمعرات اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

سلام ما برسانیہ کہ ہر کجا ہستند
بہ آں گردہ از ساغر وفا مستند

آخر میں جانباز مرحوم کے کلام میں سے ایک نظم ملاحظہ فرمائیں۔

ہمارا دم غنیمت ہے کہ تم نے زندگی پائی
ہمارے خون کا صدقہ گلستان میں بہار آئی

بہائیں گے لہو اپنا، ہم آزادی کی راہوں میں
خدا شاہد ہے ہم نے دار پر چڑھکر قسم کھائی
اسی خاطر زمانے کا چلن، نالاں رہا ہم سے
نہ ہم سے ہو سکی ہرگز زمانے کی پذیرائی
خداوندان لندن اس لئے روٹھے رہے ہم سے
درِ باطل پہ ہم سے ہو نہیں سکتی جبہ سائی
فقیروں میں رہے ۔ ہیں اور فقیرانہ گزاری ہے
قدم لیتی رہی گرچہ زمانے کی شہنشاہی
ہمارے راستے میں یہ قفس کی تیلیاں کیا ہیں
جہاں دارورسن ہے، ہم اسی منزل کے ہیں راہی
ہمیں جانباز ہیں رونق تمہارے آستانے کی
ہمارے دَم قدم سے ہے خیابانوں میں رعنائی

(جانباز مرزا مرحوم)

حلقۂ احباب

مولانا مجاہد الحسینی مدظلہ کا خط مدیر کے نام

عزیز سید محمد کفیل بخاری سلمہ ربہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ خیریت مطلوب

مجلہ نقیب ختم نبوت کا امیر شریعت نمبر وصول کر کے بے پایاں مسرت ہوئی۔ مندرجات کے تنوع اور معلومات کے تفرد سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ انسائیکلوپیڈیا کے درجے اور معیار کی دستاویز ہے جو خاصی عرق ریزی سے تیار ہوئی ہے۔ بہت بہت ہدیہ تحسین و تبریک قبول کیجئے۔

مجھے یقین کامل کی حد تک توقع ہے کہ اس کا دوسرا حصہ "نقاش نقش ثانی بہتر کشد زاول" کا مصداق ہوگا اور مندرجات میں اضافہ کر کے تشنگی دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ خاص طور سے حضرت امیر شریعت کی مجلسی زندگی اور آپ کے رفقاء معاصرین اور احباب کا تذکرہ از بس ضروری معلوم ہوتا ہے اس موضوع کی معلومات ہنوز تشنہ تحریر ہیں۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تاریخی پیشکش کو قبولیت عامہ و نافعہ عطا فرمائے اور مزید معلومات شائع کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

دعا گو

مجاہد الحسینی ایڈیٹر ماہنامہ "صوت الاسلام" ۔ فیصل آباد۔

مجلس احرار اسلام کے قائمقام امیر ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء المومن بخاری مدظلہ کا دورہ سندھ

مجلس احرارِ اسلام اللہ کی دھرتی پر حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے کوشاں ہے

جمہوری نظامِ ریاست و سیاست اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کی سازش ہے

اسلام اُسی طریقہ سے نافذ ہوگا جس کو نبی اکرم ﷺ نے اپنایا

اپریل کے دوسرے عشرہ میں قائد احرار ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المومن بخاری مدظلہ اندرون سندھ کے تبلیغی دورہ پر تشریف لائے اور حسب پروگرام ۱۵ اپریل کو سکھر پہنچے۔ یہاں مجلس احرار اسلام کے انتہائی مخلص کارکن جناب ڈاکٹر ہادی بخش اعوان چشم براہ تھے۔ ضلع سکھر، ضلع خیر پور، ضلع نوشہرہ فیروز کے متعدد مقامات پر شاہ جی کے بیانات کا پروگرام مرتب کیا گیا تھا۔

۱۵ اپریل کو بعد از عصر پریالو شہر میں جناب ڈاکٹر عبدالغفار صاحب میمن کی قیام گاہ پر مقامی علماء وکلاء اور معززین شہر سے خطاب تھا۔ شاہ جی جب وہاں پہنچے تو حاضرین نے ان کا والہانہ استقبال کیا اس موقع پر جو گفتگو ہوئی وہ حسب ذیل ہے۔

"مجلس احرار اسلام اور اکابر احرار کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اکابر احرار مثلاً چوہدری افضل حق، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ علیہم اجمعین میں سے جس کسی کا بھی نام زبان پر آئیگا تو اس کے ساتھ ہی فوراً مجلس احرار اسلام کا تصور بھی آئیگا۔ یعنی یہ دونوں لازم ملزوم ہیں۔ اور ان میں گل و بلبل کا رشتہ ہے۔ اس جماعت کا میں خادم بھی ہوں یہ ۱۹۲۹ء میں قائم ہوئی۔ اس وقت اور بھی جماعتیں تھیں مثلاً جمعیت علماء ہند موجود تھی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اموی، اور مولانا عبیداللہ سندھی، رحمھم اللہ تعالیٰ بھی موجود تھے۔ ان کے شاگرد دو حصوں میں تقسیم ہوئے۔ ایک حصہ نے مدارس میں تدریس و تعلم کو سنبھالا۔ اور دوسرے نے اجتماعی زندگی میں اپنا کردار ادا کیا۔

مجلس احرار اسلام کا ایک ہی نعرہ تھا اور ہے کہ اللہ کی اس دھرتی پر حکومت الٰہیہ کا قیام ہو۔ باقی ہمارے ملک میں جو نظام سیاست رائج ہے یہ مسلمانوں کا نہیں بلکہ برطانیہ کا نظام ہے۔ کفار و مشرکین کا نظام ہے۔ جسے جمہوریت کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ جمہوریت اور اسلام دو متضاد نظریے ہیں۔ ان کے درمیان بعد المشرقین ہے۔ اسلام ایک مستقل نظام ہے جو کسی دوسرے نظام کی پیوند کاری کا محتاج نہیں شاہ جی نے فرمایا کہ احرار کا مقصد اس نظام کو ختم کر کے حکومت الٰہیہ کے قیام کا راستہ ہموار کرنا ہے۔ احرار چاہتے ہیں کہ انسان کو انسان کی غلامی سے نجات مل جائے۔ مسلمان صرف اور صرف اللہ کی حاکمیت کیلئے جئیں۔ اور اس کے لئے جدوجہد

کریں خواہ اس کیلئے انہیں جان بھی قربان کرنی پڑے۔ پاکستان توحید و ختم نبوت اور اسوۂ رسول و اصحاب و ازواج رسول کی اطاعت کے نور سے جگمگا اٹھے۔ اور دارالسلام بن جائے۔ ہمارے لئے معیار ایمان صرف اور صرف صحابہ ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے۔

فان آمنو بمثل ماآمنتم بہ فقد ھتدو۔

یعنی ایمان بھی قابل قبول نہیں جب تک صحابہ کے مثل کی مہر نہ ہو۔

ہم لوگ حکومت الٰہیہ کے قیام کی جدوجہد کو لیکر ملک کے قریہ قریہ، بستی بستی، کوچہ کوچہ پھر رہے ہیں میں آپکو بھی دعوت دیتا ہوں کہ آپ سب مجلس احرار اسلام کے دینی انقلاب کی جدوجہد میں احرار کا ساتھ دیں۔ اس پروگرام کو اپنا پروگرام سمجھیں۔ آپ اپنا وقت، مال اور جان تک اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کیلئے قربان کرنے کا جذبہ صادقہ لیکر اللہ کی راہ میں نکلیں۔ وقت کی قلت کے باعث حضرت شاہ جی نے یہاں انتہائی مختصر گفتگو فرمائی۔ بعد میں معززین شہر نے مختلف سوالات بھی کئے۔ اور حضرت شاہ جی نے پوری شرح و بسط کیساتھ ان کے جوابات دیئے۔ علاوہ ازیں مختلف جلسوں میں آپ نے جو تقاریر کیں ان کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

"سیرت کے معنی کردار کے ہیں۔ ہر مسلمان اپنی زندگی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق گزارنے کا پابند ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ صرف فضائل بیان کرنے سے پوری نہیں ہوتی۔ جب ایک دفعہ اسلام قبول کرلیا تو اب ہر قدم نبی کے حکم کے مطابق اٹھانا ہوگا ہر فعل ہر قول و عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر کرنا ہوگا۔ عرب کی روایت تھی کہ جب کسی آدمی کو کسی چیز کی ضرورت پڑتی تو وہ کپڑے اتار کر فاران کی چوٹی پر چڑھ جاتا اور لوگوں کو اکٹھا کر کے اپنی حاجت بیان کرتا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فاران کی چوٹی پر چڑھ گئے اور لوگوں کو متوجہ کیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم برہنہ نہ ہوئے۔ ملبوس ہو کر آئے جو کہ عرب کی عام روایت کے خلاف تھا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے پہلا سبق یہ ملتا ہے کہ آپ جس دین کا اعلان کر رہے ہیں جس مذہب کی دعوت دے رہے ہیں اس میں حیاء ہے۔ بے حیائی، فحاشی، و عریانی ختم کر دی گئی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ سیرت کو بیان کرنے والے کا لباس بھی نبی علیہ اسلام کے لباس سے مشابہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ایک بات فرمائی اور یہ بھی سیرت ہی کا ایک پہلو ہے کہ

ھل وجدتمونی صادقا او کاذبا۔

کہ میں نے تمہارے اندر چالیس برس زندگی گزاری تم نے مجھے کیسا پایا؟ اگر میری زندگی کے کسی گوشے پر تمہیں تردد اور اعتراض ہو تو بتاؤ۔ لیکن کسی مائی کے لال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر انگلی رکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم نے آپکو زندگی کے ہر شعبے میں سچا اور کھرا پایا ہے۔ آپ کا بچپن ان کے سامنے تھا۔ جوانی ان کے سامنے تھی۔ مگر سب کے سب کہہ رہے ہیں آپ امین ہیں آپ صادق ہیں۔ جب یہ بات تسلیم کرالی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت دی اور فرمایا

قولوالاالہ الااللہ تفلحون

محمد و اللہ وحدہ لاشریک ہے، کامیاب ہو جاؤ گے۔ تو اب کفار منہ منہ کی باتیں بنانے لگے کہ کیا تو نے ہمیں اسی لئے بلایا تھا؟ چونکہ اب بات ان کے منشا کے خلاف تھی اس لئے کفار نے ماننے سے انکار کر دیا۔ یہاں پر یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اس کلمہ کے ساتھ تین سلوک ہوئے۔

۱) ایک جماعت ابو جہل کی جماعت ہے جس نے کلمہ توحید سن اور سمجھ کر انکار کیا۔

۲) دوسری ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے جس نے کلمہ سنا، سمجھا اور اس کے پابند ہوئے۔

۳) اور تیسری جماعت ہم ہیں کہ کلمہ پڑھتے ہیں مگر نہ سمجھتے ہیں نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی اسکی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

ایک وہ جماعت تھی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق پر لبیک کہا۔ اپنے آپ کو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کیلئے وقف کر دیا۔ پھر وہ دن بھی آیا کہ ان اصحاب رسول کی خلافت الٰہیہ کا آفتاب نصف النہار پر چمکنے لگا۔ انہوں نے اس وقت کے دکھی اور وڈیروں کے ظلم و ستم کے مارے ہوئے لوگوں کو ان کے پنجہ استبداد سے چھڑایا۔ ایک ہم ہیں کہ وہی کلمہ پڑھتے ہیں مگر آج ہم پر مسکنت و پامالی چھائی ہوئی ہے۔ ہر طرف مسلمان پٹ رہا ہے۔ آخر ہماری رسوائی کا سبب کیا ہے؟ لوگو! بھائیو! مسلمانو! ایھا المسلمون! آؤ ذرا مل بیٹھو اور سوچو کہ کلمہ پڑھنے کے بعد ہم اس چیز کے مستحق ہیں جس سے دوچار ہیں؟ نہیں نہیں اور ہرگز نہیں۔ علماء، دانشور، وکلا مل بیٹھ کر سوچیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس طرز زندگی اور اس نظام حیات کو چھوڑ دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیہم کوشش سے تئیس برس انسانوں کو پڑھایا۔ سنایا سکھایا۔ ہم نے اس نظام کو اپنایا جو کفار و مشرکین نے وضع کیا ہے۔ اس نظام کو امریکہ و برطانیہ کے یہودیوں، ہندوستان کے ہندوؤں نے قبول کیا ہوا ہے۔

یہاں بھی یہی نظام جاری ہے۔ ہم نے مسلمان ہو کر اور اپنا الگ الٰہی قانون رکھتے ہوئے جس نظام کو قبول کیا اس میں "ون مین ون ووٹ" ہے۔ یعنی ایک بھنگی چرسی اور شرابی کے مقابل میں حضرت امروٹی، حضرت ہالیجوی ان سب کا ووٹ ایک ہے۔ اور ان سب کی حیثیت برابر ہے۔

اس نظام کی وجہ سے یہاں صوبائی اور لسانی تعصبات پھیلے ہیں۔ یہ نظام ایسے اجزا پر مشتمل ہے جو کسی قوم اور قبیلہ میں افتراق و انتشار کا باعث بنتے ہیں۔ الیکشن کے دوران ہر امیدوار اپنے مد مقابل پر وہ کیچڑ اچھالتا ہے کہ الاماں۔ الیکشن کمپین میں تمام اخلاقی حدود کو توڑ دیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر ایسے ایسے رکیک حملے کئے جاتے ہیں کہ شریف آدمی سن نہیں سکتا۔

اسلام ہمیں اخوت و بھائی چارے اور وحدت کا سبق دیتا ہے۔ اسلام میں کوئی لسانی تقسیم نہیں۔ خود قرآن پاک میں ہے

وجعلنا کم شعوباً وقبائل لتعارفو ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم۔

یہ سندھی، پنجابی، بلوچ پٹھان کی تقسیم صرف پہچان کیلئے ہے۔ وگرنہ اللہ کے نزدیک معزز و مکرم تو صرف متقی اور پرہیزگار ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف کلمہ کی دعوت دیکر انسان کو کامیابی کی طرف گامزن کر دیا۔ کلمہ گو

مسلمان سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ قوم، رنگ، نسل، زبان و وطن، عرب و عجم ہر لحاظ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برتری کو ختم کر کے صرف ایک بنیاد اور معیار عطا کیا۔ اور وہ ہے اللہ سے اتقاء۔۔ اللہ کا خوف

ہم احرار! دعوت اتحاد دیتے ہیں مسلمانوں کے تمام طبقات کو یہی ہمارا پیغام ہے اور قرآن پاک کے فرمان

ادخلوافی السلم کافة

کے مطابق چاہتے ہیں کہ ہمارا مرنا جینا اللہ کے دیئے ہوئے احکامات کے مطابق ہو جائے۔ اللہ فرماتے ہیں۔

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین

ہماری زندگی اس آیت کا عملی مظہر ہو۔ اور ہماری دعوت!

ان ہذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوالسبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصکم بہ لعلکم تتقون

"تحقیق بے شک و شبہ یہ میرا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ تم اسی راہ پر چلو، دوسرے راستوں پر مت چلو۔ (دیگر نظام زندگی مت اپناؤ) پس وہ تمہیں اس سیدھے راستے سے جدا کر دیں گے۔ اسی کی تاکید ہے تمہیں تاکہ تم دوسرے راستوں سے بچو"

ہماری دعوت رہبانیت سے پاک ہے۔ ہم دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کا رخ موڑنا چاہتے ہیں مگر ایسے کہ آدمی نہ تو دنیا کی لذتوں کا بھکاری بن کر رہ جائے۔ اور نہ ہی لبادہ نکر اوڑھ کر لوگوں کی آرزوؤں کا قتل کیا جائے۔ اور نہ ہی کارکنوں کو معاشی مصائب میں گرفتار کیا جائے۔ ہمارا مقصد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیار حق حیات مبارکہ کی اتباع کرتے ہوئے یہ دعوت عام کرنی ہے۔ احرار چاہتے ہیں کہ انسان کو انسان کی غلامی سے نجات مل جائے۔ جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

متی استعبد تم الناس وقد ولد تہم امہاتہم احرارا۔

تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا حالانکہ انکی ماؤں نے ان کو آزاد جنا ہے۔

آپ ہماری اس دعوت کو غور سے سنیں۔ اور دل کی گہرائیوں سے سوچیں اور سوچ سمجھ کر ہماری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ایک جذبہ صادقہ لے کر آئیں اور ہمیں اپنی رفاقت کا شرف بخشیں۔ تاکہ ہم آپ کی رفاقت میں اپنی بڑھتی ہوئی طاقت سے حوادث کا رخ موڑیں۔ اور عصر حاضر کے تمام نظام ہائے جبر میں سسکتی اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کو سنبھالا دیں اور انہیں ایک اللہ کے دیئے ہوئے نظام کے پرچم رحمت کے سائے میں لا کھڑا کریں۔

یہی ہماری دعوت ہے اور یہی ہمارا پیغام ہے۔

جو قصدِ منزل حق ہے تو پھر کتاب مبیں کو
ہجوم تیرہ شبی میں چراغ راہ بناؤ
یہی ہے درس اخوت، یہی پیام بقا ہے
کہ آدمی کے ستم سے تم آدمی کو چھڑاؤ

عبدالشکور   بورے والا

مجلس احرارِ اسلام نے مرزائیت کا عوامی سطح پر محاسبہ کیا

مرزائی پاکستان میں لسانی، علاقائی اور قومی تعصبات پھیلا رہے ہیں

حکومت تحقیقاتی کمیشن قائم کرے تو ہم مرزائیوں کی ملک دشمن سرگرمیاں ثابت کریں گے

بورے والا میں عظیم الشان "ختم نبوت کانفرنس" سے عطاء المؤمن بخاری کا خطاب

بورے والا میں ایک طویل عرصہ کے بعد مجلس احرار اسلام کا اجتماع بعنوان "ختم نبوت کانفرنس" منعقد ہوا۔ جس کی تشہیر کئی روز سے ضلع وہاڑی کے تمام گردو نواح میں نہایت زور و شور سے جاری تھی۔ ایک طویل جمود کے بعد جماعت کے قائدین یہاں تشریف لا رہے تھے۔ اس لئے لوگوں میں ان کو سننے کا اشتیاق قدرتی امر تھا۔ کانفرنس کے مہمان خصوصی مجلس احرار اسلام کے قائمقام امیر ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء المومن بخاری تھے۔

۹ مئی کو بعد نماز عشاء بورے والا کے مرکزی گول چوک میں مسلمانوں کا ایک بے پناہ ہجوم قائد احرار کا خطاب سننے کیلئے مضطرب اور بے قرار تھا۔ ضلع بھر کے اطراف و اکناف سے لوگ جوق در جوق یہاں کھچے چلے آئے تھے۔ کانفرنس کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز حافظ قاری محمد مغیرہ کی تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ نعت و نظم جناب حافظ محمد اکرم صاحب نے پڑھی۔ جبکہ سٹیج سیکرٹری یادگار اسلاف حضرت مولانا محمد اسحاق سلیمی صاحب تھے۔

مجلس احرار اسلام حاصل پور کے رہنما جناب حافظ محمد کفایت اللہ نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا کہ قرآن کی نص صریح کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کسی قسم کا ظلی یا بروزی نبی نہیں آئیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کا اختتام ہو گیا۔ مگر باوجود اس کے بہت سے لوگوں نے دعویٰ نبوۃ کیا اور لوگوں کے ایمانوں پر ڈاکے ڈالے۔ نبوت کے ان ڈاکوؤں کی فہرست اسود عنسی سے شروع ہو کر پہنچتی مرزا قادیانی تک ہے۔ مرزا قادیانی اس دور کا سب سے بڑا فتنہ تھا جس نے لوگوں کے ایمان لوٹے اور انہیں گمراہی میں مبتلا کیا۔ حضرت مولانا محمد اسحاق سلیمی نے کہا کہ مجلس احرار اسلام نے حضرت امیر شریعۃ رحمۃ اللہ علیہ، چودھری افضل حق رحمۃ اللہ اور دیگر قائدین احرار کی قیادت و سیادت میں قادیانی فتنہ کی سرکوبی کیلئے ہر طرح کی قربانی دی۔ تحریک تحفظ ختم نبوت مجلس احرار اسلام ہی کا شعبہ تبلیغ ہے۔ ماضی میں اسی شعبہ کے تحت مرزائیت کے خلاف جنگ لڑی گئی۔ انہوں نے کہا کہ احرار آج بھی فتنہ مرزائیت کے موثر محاسبہ و تعاقب کے جہاد میں مصروف ہیں۔ جسکے نتیجے میں مرزائیوں کو اپنے بلوں میں گھسنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت ارتداد کی شرعی

سزا(قتل) نافذ کرے جس کی سفارش اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی کی ہے۔

قائد احرار ابن امیر شریعت سید عطاء المومن بخاری مائک پر تشریف لائے تو سامعین ہمہ تن گوش تھے ان کی نگاہیں شاہ جی کو ایک نظر دیکھنے کیلئے بے قرار، دل مضطرب اور گوش بر آواز تھے۔ نعرہ ہائے تکبیر کے غلغلہ میں آپ نے خطبہ مسنونہ اور آیات قرآنی کی تلاوت شروع کی تو ہر شخص قرآن کی تاثیر میں ڈوب گیا۔ مجمع پر کامل سکوت طاری تھا۔ شاہ جی نے اچانک رات کے سکوت اور مجمع کے جمود کو توڑتے ہوئے کہا۔

جب اس ملک پر انگریز نے قبضہ کیا تو اس وقت اس کی مزاحمت کرنے والا موثر طبقہ مسلمانوں کا تھا۔ جنھوں نے اپنے مجاہدانہ عمل سے انگریز کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام نے جہاد کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ اور یہ چیز مسلمانوں کے علم و عمل میں راسخ تھی۔ انگریز نے سوچا کہ مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کی اہمیت کو ختم کیا جائے چنانچہ اس نے یہ مقصد حاصل کرنے کیلئے دو کام کئے۔ پہلا کام تو یہ کیا کہ مسلمانوں کے اندر جتنے بھی اہم مناصب تھے انکو عوام الناس کے سامنے نہایت حقارت کے ساتھ پیش کیا۔ ایسے طبقات کو پیدا کیا گیا جو مسلمان ہوتے ہوئے اسلام کا مذاق اڑانے لگے۔ جاہل صوفیوں کو تیار کیا گیا۔ جنھوں نے رہبانیت کو فروغ دیا۔ اور مسلمانوں کی مجاہدانہ صفات کو زنگ آلود کر دیا۔

دوسری طرف اس نے سرزمین پنجاب میں قادیان کے اندر ایک ایسے شخص کو تیار کیا جو ان کے اس مکروہ اور خبیث عمل کو پروان چڑھا سکے۔ جسے ہم مرزا غلام احمد قادیانی کے نام سے جانتے ہیں۔ مرزا غلام احمد نے پہلے پہل مجدد ہونے کا دعوی کیا۔ امام ہونے، پھر مسیح موعود ہونے اور پھر آخر میں اس نے نبی ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا۔ نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد اس نے انگریز کے خلاف جہاد کو حرام قرار دیا۔ اور اس نے کہا کہ اب جہاد منسوخ ہو چکا ہے۔ انگریز "اولی الامر" ہے۔ اسکی اطاعت واجب ہے۔ اس فتنہ نے انگریز کی سرپرستی میں سر اٹھایا۔ انگریز نے اسے پالا پوسا اس کے ذریعے مسلمانوں کے اندر نفاق کا بیج بویا اس فتنہ کے خلاف اس وقت کے علما نے محنت کی۔ اس کا مقابلہ کیا۔ مگر یہ کریڈٹ احرار ہی کو جاتا ہے کہ اس نے عوامی سطح پر اس کا بھرپور مقابلہ کیا۔

۱۹۵۳ء میں تحریک مقدس "تحفظ ختم نبوت" برپا کی اور دس ہزار فدائین ختم نبوت ناموس رسالت پر نثار ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم احرار والوں نے بغیر کسی دلیل اور سبب کے مرزائیت کے خلاف جہاد نہیں کیا بلکہ ہمارا موقف واضح مدلل اور امت کے اجماعی عقائد کا ترجمان ہے۔ قرآن کریم کی کسی ایک آیت کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ مرزائیوں نے نہ صرف نصِ صریح

ما كان محمدابااحمد من رجالكم ولكن الرسول الله و خاتم النبيين

کا انکار کیا بلکہ حضور علیہ السلام کی نبوت کے مقابلے میں جعلی نبوت کا سلسلہ چلایا۔ اور یہ عمل ارتداد کے زمرے میں آتا ہے۔ مرزائی نہ صرف کافر ہیں بلکہ مرتد بھی ہیں اور اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔

شاہ جی نے فرمایا کہ مرزا غلام احمد کی ذریت آج بھی انگریز کے تفرقہ والے عمل کو پورے زور و شور سے پھیلا رہی ہے۔ پاکستان میں جتنی بھی ملک دشمن سرگرمیاں جاری ہیں روز اوّل سے ان کے پس منظر میں قادیانی شریک ہیں۔ پاکستان کے اندر ان لوگوں نے لسانی اور صوبائی تعصب پھیلا دیا ہے۔ کہیں سندھی پنجابی کی آویزش ہے

کہیں بلوچ پٹھان کی اور کہیں مقامی مہاجر کی جنگ ہے۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک تحقیقاتی کمیشن بٹھائے اور پھر اسمیں ہمیں موقعہ دے۔ ہم ثابت کریں گے کہ صوبائی اور لسانی تعصب مرزائی پھیلا رہے ہیں۔ ملک کی معاشی وسیاسی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ ہمارے لئے یہ سوچنا ضروری ہے کہ ہم سب بھائی ہیں اور دین اسلام اور قرآن پر ہی ایک ہوسکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

انما المومنون اخوة

کہ تمام مومن بھائی ہیں آپس میں اور اسی طرح ارشاد ربانی ہے۔

واعتصمو ا بحبل الله جميعا ولاتفرقوا

کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور آپس میں تفرقہ بازی پیدا نہ کرو۔

موجودہ حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے شاہ جی نے کہا کہ ہم نے یہ ملک عظیم قربانیاں دیکر حاصل کیا اور اس لئے حاصل کیا کہ ہم یہاں اسلامی قانون نافذ کریں گے۔ حکومتہ الٰہیہ کا قیام ہوگا۔ مگر اس ملک کے اندر نظام ریاست و سیاست وہ چل رہا ہے جو اسلام کے باغیوں یہود و نصاری کا وضع کردہ ہے۔ اس نظام میں ایک جاہل مطلق، فاسق و فاجر اور عالم باعمل متقی پرہیزگار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مگر اسلام میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں خبیث اور طیب برابر نہیں۔ شاہ جی نے فرمایا کہ ہمارے کچھ علما یہ سمجھتے ہیں کہ جمہوری نظام کے ذریعے اس ملک میں اسلام نافذ کیا جائیگا حالانکہ یہ طریق کار سراسر غلط ہے۔ اسلام اسی طریقہ سے آئیگا۔ جس طریقہ پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔ یعنی اسلام قربانی سے آئیگا۔ ووٹ کے ذریعے نہیں آئیگا۔ ابھی ہم کس انتظار میں ہیں؟ اس نظام کے وضع کرنے والوں کے متعلق تحقیق کرلیجئے کہ کون تھے؟ اس نظام کو وضع کرنے والے یہودی ہیں۔ جو مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے نظام کے مقابلہ میں نیا نظام بنایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

لايصلح آخر هذه الامة الابماصلحت اولّها

اس امت کے آخر کی اصلاح وفلاح اسی طریقہ پر ہوگی جس طرح اوّل کی ہوئی۔ جب یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو ملکی سلامتی کیلئے قوم کی سلامت روی کیلئے، خیر کو غالب اور شر کو مغلوب کرنے کیلئے، نیا عزم اور نیا ولولہ لے کر اٹھیں۔ بڑھیں اور پرانے سبق کو تازہ کریں اور تجدید میثاق کریں۔ مجلس احرار اسلام کا ساتھ دیں اور حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے ہم سے تعاون کریں۔ پاکستان میں اہل دین کی طرف سے جمہوریت کے خلاف ایک زوردار اور نہایت مضبوط دھکے کی ضرورت ہے۔ علماء اٹھ کھڑے ہوں تو آج بھی قوم ان کا ساتھ دینے کو تیار ہے۔

تقریر کے اختتام پر حضرت شاہ جی نے دعا کرائی۔ یہ بڑا رقت انگیز نظارہ تھا۔ لوگوں نے یہ روح پرور منظر بھی دیکھا کہ ادھر شاہ جی دعا فرما رہے تھے ادھر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ انہی دعائیہ کلمات پر شاہ جی نے تقریر ختم کرتے ہوئے کہا

اب تو جاتے ہیں مے کدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

اسلام کفر کے سہاروں کا محتاج نہیں

بد نصیب ہیں وہ علماء، وہ دینی جماعتیں اور ان کے سیاسی لیڈر جو اسلام کی بجائے جمہوریت کا نام لے کر پرچم اٹھاتے پھرے، قیادت کا راگ الاپتے رہے لیکن مسلمانوں کی قدر مشترک، اجتماعیت کے نشان اور مرکزیت کی علامت ختم نبوت کے لئے ان کو اکٹھا ہونا یاد نہ رہا۔ آج وہ اپنی آنکھوں سے جمہوریت کا حشر دیکھ چکے۔ انہوں نے پہلے جمہوریت کے نام پر اسلام کو برباد کیا، پھر ڈکٹیٹر شپ آئی اور ڈکٹیٹر شپ کے بعد اب پھر جمہوریت کا راگ الاپا جارہا ہے۔

آج سن لو! جب تک اسلام کو اسلام کے نام سے نہیں لایا جائے گا۔ اسلام نہیں آئے گا۔ اسلام کفر کے سہاروں کا محتاج نہیں، کوئی کافرانہ جمہوریت، امریکی صدارتی نظام، کسی ماؤ، کسی لینن و سٹالن کا کفریہ نظام سوشلزم اور کمیونزم، اسلام کو نہیں لاسکتا۔ اسلام اپنے نام سے آئے گا اور کفر اپنے نام سے۔ جب تک اس سیاسی ناٹک اور فریب کا پردہ چاک نہیں کیا جائے گا، یہ مغالطہ ختم نہیں کیا جائے گا۔ مداریوں کی ان پٹاریوں کو کھول کر عوام کے سامنے عریاں نہیں کیا جائے گا۔ جب تک آپ کی قوت فکر و عمل ایک نہیں ہو گی، تمام مکاتب فکر اسلام کے دستور پر اکٹھے نہیں ہوں گے اسلام نہیں آئے گا۔

آپ لکھ رکھیں، آپ کی مساجد باقی نہیں چھوڑی جائیں گی، مدارس چھین لئے جائیں گے۔ بخارا اور تاشقند کی یاد تازہ کرنے کا پروگرام آؤٹ ہو چکا ہے۔ مولویوں کی لاشیں حجروں سے برآمد کی جائیں گی۔ سب کچھ دھیرے دھیرے لایا جارہا ہے۔ جنھوں نے نہیں سنا وہ سن لیں اور جو سن کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھے ہیں وہ سوچ لیں۔ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ کل اگر تم پر کوئی مصیبت اور عتاب آیا تو ہم جس طرح پہلے اس مسئلہ میں پاکدامن تھے آئندہ بھی ہمارا دامن ان اعتراضات سے پاک ہو گا۔

جانشین امیر شریعت، سید ابومعاویہ ابوذر بخاری مدظلہ
جلوس احرار کانفرنس چنیوٹ
۲۴ مارچ ۱۹۷۲ء

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ

جامع مسجد ختمِ نبوت

دارِ بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان

زیرِ اہتمام: تحریک تحفظ ختمِ نبوت (شعبہ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

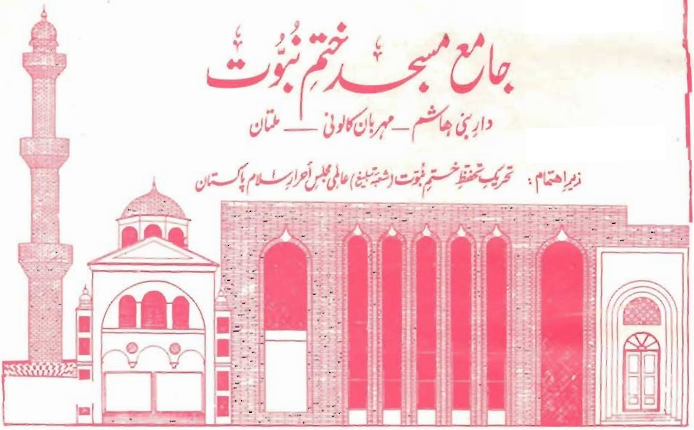

مسجد تکمیل کے مراحل میں ہے، دیواروں کے پلستر، ٹونٹیوں کی تنصیب، بجلی کی فٹنگ دروازوں اور کھڑکیوں کی تنصیب کا کام جاری ہے۔ اس وقت تعاون کی اشد ضرورت ہے۔ نقد و سامان تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون کا ہاتھ بڑھائیں۔ اور اللہ سے اجر پائیں۔

ترسیل زر کے لئے

بذریعہ بنک ڈرافٹ، چیک

بنام ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری

اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲، حبیب بنک حسین آگاہی ملتان۔

آیئے۔ اللہ کی رضا اور اجر حاصل کیجئے!

عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ، محاسبہ مرزائیت و رافضیت اسوۂ آل و اصحاب رسول علیہم السلام کی تعلیم و تبلیغ کو ملکی اور عالمی سطح پر عام کرنے کے لئے ہمارا ساتھ دیجئے۔!

چرمِ قربانی
احرار کے شعبۂ تبلیغ کو دیجئے

★ مدرسہ معمورہ ——— دارِ بنی ہاشم، پولیس لائنز روڈ ملتان۔ فون نمبر: ۵۱۱۹۶۱

★ مدرسہ معمورہ ——— مسجدِ نور، تغلق روڈ ملتان ———

★ بُستانِ حمیرا (مدرسۃ البنات) ——— دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان ———

★ سادات اکیڈمی ——— دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان ———

★ مدرسہ محمودیہ معمورہ ——— ناگڑیاں ضلع گجرات ———

★ مدرسہ ختمِ نبوّت ——— مسجد احرار متصل ڈگری کالج ربوہ۔ فون نمبر: ۸۸۶ ———

★ مدرسہ ختمِ نبوّت ——— سرگودھا روڈ ربوہ ———

★ دارالعلوم ختمِ نبوّت ——— چیچہ وطنی۔ فون نمبر: ۲۹۵۳ – ۲۱۱۲ ———

★ احرار ختمِ نبوّت سینٹر ——— چیچہ وطنی ———

★ مدرسہ ابوبکر صدّیق ——— تلہ گنگ ضلع چکوال ———

★ مدرسۃ العلوم الاسلامیہ ——— گڑھا موڑ۔ فون ۱۳۱ ———

★ مدرسۃ البنات ——— گڑھا موڑ۔ فون: ۱۳ ———

★ مدرسہ ختمِ نبوّت ——— نواں چوک گڑھا موڑ ———

★ مدرسہ ختمِ نبوّت ——— صادق آباد، ضلع رحیم یار خان۔ ———

یہ ادارے سرگرم عمل ہیں۔ ان کے اخراجات اور آئندہ کے منصوبے، مسجد احرار ملتان، مدرسہ معمورہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیش نظر زمین کی خرید اور تعمیر نو، دفاتر کا قیام، بیرونی ممالک میں مبلغین کی تعیناتی اور اداروں کا قیام، پچاس کتابوں کی اشاعت ——— یہ تمام کام اُمتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعاون سے ہوگا۔ یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

سیّد عطاء المحسن بخاری
دارِ بنی ہاشم ○ مہربان کالونی ○ ملتان
ترسیل زر کے لئے: اکاؤنٹ نمبر: ۹۹۳۲ حبیب بنک لمیٹڈ حسین آگاہی ملتان۔